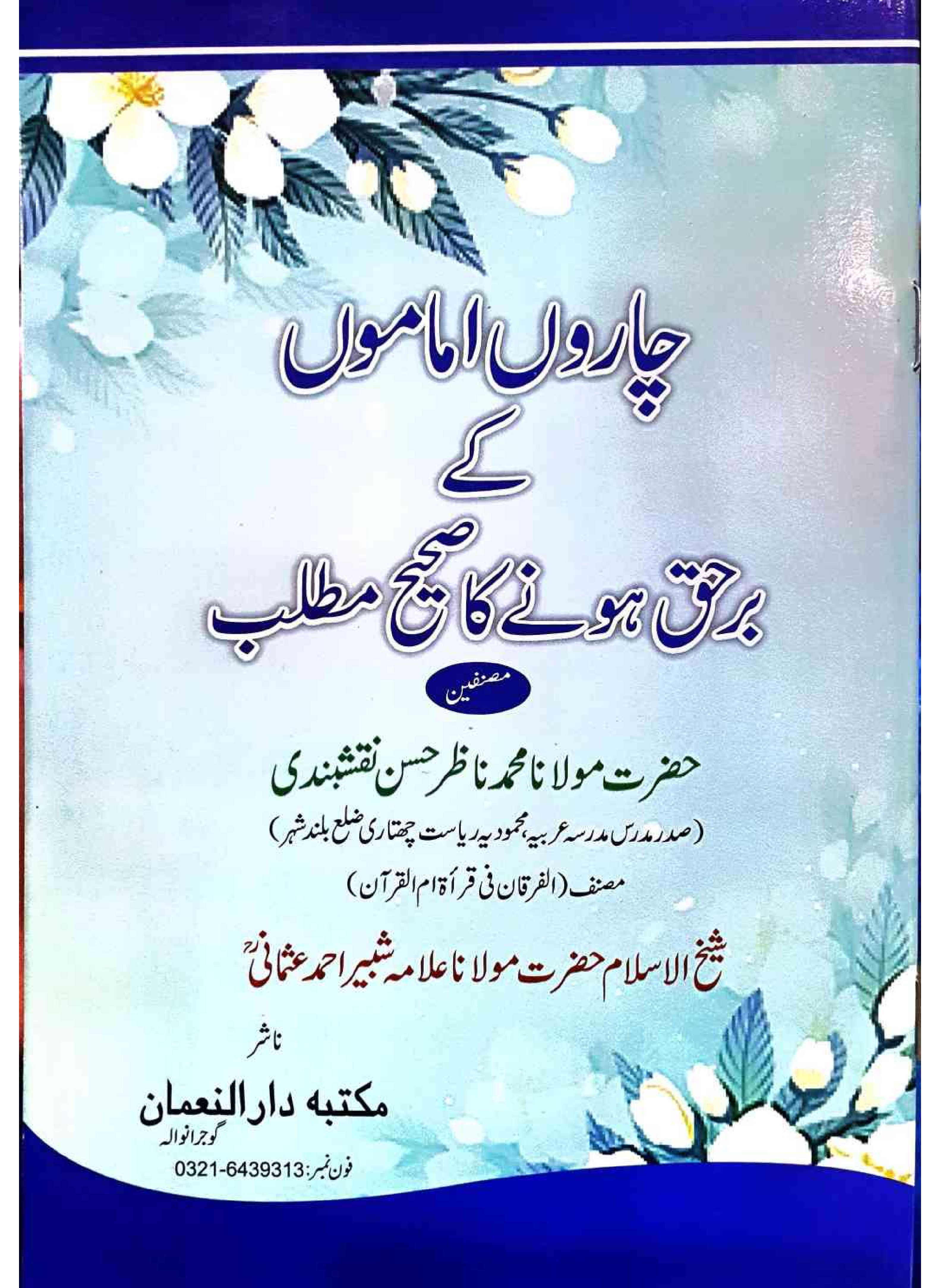

چاروں اماموں
کے
برحق ہونے کا صحیح مطلب
مصنفین
حضرت مولانا محمد ناظر حسن نقشبندی
(صدر مدرس مدرسہ عربیہ، محمودیہ ریاست چھتاری ضلع بلندشہر)
مصنف (الفرقان فی قرأۃ ام القرآن)
شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رح
ناشر
مکتبہ دار النعمان
گوجرانوالہ
فون نمبر: 0321-6439313

چاروں اماموں
کے
برحق ہونے کا صحیح مطلب

مصنفین

حضرت مولانا محمد ناظر حسن نقشبندی
(صدر مدرس مدرسہ عربیہ محمودیہ ریاست چھتاری ضلع بلند شہر)

مصنف (الفرقان فی قراۃ ام القرآن)
شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رح

ناشر
شعبہ نشر و اشاعت
ادارۃ النعمان، پیپلز کالونی، گوجرانوالہ
فون نمبر: 0321-6439313

نام کتاب	چاروں اماموں کے برحق ہونے کا صحیح مطلب
مصنفین	مولانا محمد ناظر حسنؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
کمپوزنگ وڈیزائننگ	ماہیر گرافکس گوجرانوالہ
صفحات	48
قیمت	
طبع اول	جنوری 2022ء

ملنے کا پتہ

مکتبہ امام اہل سنت، عقب شیرانوالہ باغ، گوجرانوالہ

والی کتاب گھر، اردو بازار، گوجرانوالہ

ضروری اعلان:

ہم نے اس رسالہ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ کوئی غلطی نہ ہو۔ مگر پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ ضرور درست کر دی جائے گی۔ ہم قرآن وسنت کے خلاف کسی کی بات نہیں مانتے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت پر صحیح معنی میں عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین!!

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الھدٰی و الضلال

جناب منیجر صاحب سراج الاخبار زادعنایتکم بعد سلام مسنون آنکہ گزشتہ رمضان میں پرچہ النجم لکھنو، مطبوعہ ۱۴ رمضان ۱۳۲۸ھ میں ایک مضمون نظر سے گزرا جو ایک شخص دین محمد کلکتہ کی طرف سے تھا جو بجنسہ ذیل میں درج ہے۔ اوس کا جواب بندہ نے تحریر کر کے منیجر النجم کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ جو ۲۸ رمضان کے پرچہ میں طبع ہوا۔ اس پر بہت سے برادران حدیث وفقہ کی طرف سے تحسین وآفرین کے خطوط آئے کہ ایسا سچا دل پذیر مضمون آج تک نظر سے نہیں گزرا۔ یہ تحریر ہے یا سحر ہے۔ مناسب ہے کہ اس کی کاپیاں جداگانہ زیادہ تعداد میں طبع کرا کے تقسیم کی جاویں کہ بے حد مفید ہے مگر میرے پاس اوس مضمون کی نقل نہ تھی۔ اس لیے ان کے حکم کی تعمیل سے قاصر رہا۔ اب بعد مدت کے ایک دوست نے کانپور سے وہ پرچہ النجم میرے پاس روانہ کیا۔ جس میں بندہ کا مضمون تھا۔ ادھر ایک میرے پنجاب کے دوست فاضل نے بندہ سے جناب کی بے حد تعریف کی کہ آپ ایسے مفید مضامین کے شائع کرنے میں نہایت سرگرم ہیں۔ لہٰذا دین محمد مذکور کا مضمون بجنسہ اور اپنا جواب معہ کسی قدر ایضاح زائد کے روانہ خدمت کرتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس کی اشاعت سے بہت سے کم فہم برادران حدیث کو غلط فہمی سے بچائیں گے اور ائمہ اربعہ کے برحق ہونے کا نقش اون کے دلوں میں جمائیں گے۔

دین محمد مذکور کا مضمون یہ ہے:

جناب منیجر اخبار النجم صاحب زادعنایتکم بعد سلام علیک کے، واضح ہو کہ آپ کا بہت نام سنا ہے کہ آپ انصاف پسند ہیں اور حق پسند ہیں لیکن جو ایماندار ہوتے ہیں وہ ایسے ہی ہوتے

ہیں۔ حق کو حق سمجھتے ہیں اور ناحق کو ناحق سمجھتے ہیں۔ مجھ کو آپ سے امید ہے کہ آپ اللہ والے شخص ہوں گے جو اللہ والے لوگ ہیں وہ صاف صاف بتادیتے ہیں جو بات ہوتی ہے۔ آپ ہرگز ہرگز رعایت کا خیال نہ فرمانا جو ایمانا ہو وہ آپ اپنے اخبار میں چھاپنا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ اس کا نیک ثمرہ دے گا قیامت کے روز۔ مسلمانوں کا گمان ہے چار مذہب برحق ہیں۔ مالکی، حنفی، شافعی، حنبلی ان چاروں کو برحق کہتے ہیں۔ ہمارے نبی یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مذہب تھا۔ اگر پیغمبر کا مذہب حنفی تھا تو حنفی برحق اور اگر پیغمبر کا مذہب شافعی تھا تو شافعی برحق اور حنبلی مذہب تھا تو حنبلی مذہب برحق ہوگا۔ اگر مالکی مذہب ہوگا تو مالکی برحق ہوگا۔ ان چاروں مذاہب میں جو مذہب پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا وہ برحق ہوگا۔ چاروں مذہب کیونکر برحق ہوسکتے ہیں اگر ان چاروں مذہب میں، ایک مذہب بھی پیغمبر کا نہ ہوتو یہ چاروں مذہب رائیگاں ہوں گے۔ ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ اصل محمدی اگر ہونا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مذہب تھا اس کی تلاش کریں اس وقت کوئی لڑائی جھگڑا باقی نہ رہے گا۔ آپ کا نام میں نے سنا ہے کہ آپ نہایت درجہ اسلامی کاموں میں اپنا وقت ضائع کیا کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ مہربانی فرما کر اس راز کو آپ خدا واسطے ظاہر فرمائیے مجھ کو کئی آدمیوں نے کہا کہ اخبار النجم کے جو مولوی صاحب ہیں جناب مولوی عبدالشکور صاحب وہ اس کی احوالات کا خلاصہ اپنے اخبار کے ذریعہ سے تشفی بخش جواب لکھیں گے تاکہ ہم لوگوں کو ضلالت سے نجات ملے اور آپ کو قیامت کے دن اس کا ثواب ملے گا اگر خلاصہ نہ لکھا تو ہم لوگوں کو بالکل واضح ہوگا کہ آپ لاچار ہیں جواب دینے سے اطلاع دیجیے گا۔

راقم، ایک بندہ ناچیز دین محمد از کلکتہ محلہ تالتلا بازار نمبر ۶ سازنگ لین، رکالت لفظی لائق توجہ ہے۔

جواب محمد ناظر حسن مدرس مدرسہ چھتاری

بعد الخدمت جناب منیجر صاحب النجم لکھنؤ زادعنایتکم میں نے عشرہ اخیر رمضان میں آپ

کا پرچہ النجم مطبوعہ ۱۴ رمضان ۱۳۲۸ھ دیو بند میں دیکھا اس میں ایک شخص دین محمد نام اہل حدیث نے آپ سے التجا کی تھی کہ آپ حق پژدہ اور چنین وچناں ہیں۔ آپ میرے مضمون کو دربارہ اس کے (کہ ائمہ فقہ کے چاروں مذہب کیونکر برحق ہو سکتے ہیں) بجنسہ چھاپ دیجیے۔ چنانچہ آپ نے اس کو چھاپ دیا اور مختصر سا ریمارک بھی آپ نے اس پر کر دیا جس کے بعد اور لکھنے کی ضرورت نہ تھی مگر بعض شائقین طلبہ نے مجھ پر اصرار کیا کہ بطرز عالمانہ تو بھی کچھ دلائل اس پر لکھ دے۔ لہٰذا بندہ کو کچھ لکھنا پڑا سو گزارش ہے کہ شخص مذکور اگر اکابر اہلحدیث سے ہے تو اس کی خوش فہمی پر نظر کر کے خیال ہوتا کہ ان کے اصاغر کا کیا حال ہوگا۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ اور اگر وہ عوام کالانعام سے ہے تو اس کو اولاً اپنے اکابر سے اس کی تحقیق مناسب تھی تا کہ اس کی کم فہمی طشت از بام نہ ہوتی سنجیدہ اہلحدیث سے امید واثق تھی کہ وہ ضرور فرما دیتے کہ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باوجود فروعی اختلاف مسالک وتباین آرائے کے سب برحق ہیں۔ ایسے ہی ائمہ مابعد بھی برحق ہیں چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں حدیث مرفوع ہے۔

وعن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول سالت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاوحی الی یا محمد ان اصحابك عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها اقوی من بعض ولكلٍ نورٌ فمَن اخذ بشیء مماهم علیه من اختلافهم فهو عندی علی هدی. قال وقال رسول الله صلی الله علیه وسلمِ اصحابی كالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم (رواه رزین مشكوة باب مناقب الصحابة ص٥٤٦)

یعنی میں نے اپنے رب سے اپنے صحابہ کے اختلاف سے سوال کیا اس نے مجھ کو وحی بھیجی کہ تیرے اصحاب میرے نزدیک مثل ستارگان آسمان ہیں کہ ان میں بعض ستارہ دوسرے سے روشن تر ہے۔ مگر ہر ایک میں چمک ہے، پھر جو شخص تیرے اصحاب کے مسالک مختلفہ میں

سے کسی مسلک کو اختیار کرے گا وہ میرے نزدیک برحق وراہ یاب ہے۔ اس حدیث میں آخری لفظ (علی ھدی) قابل توجہ ہے۔ اس کا ٹھیک ترجمہ برحق ہے۔

اب جو توجیہ دین محمد صحابہ کرام کے برحق ہونے کی سمجھتا ہے وہی توجیہ ائمہ ما بعد میں جاری کر لیوے اور اگر معاذ اللہ اوس کے نزدیک صحابہ کرام بھی بوجہ اختلاف باہمی مہتدی و برحق نہیں ہیں تو اوس سے ہمارا کلام نہیں ہے۔ صرف اس قدر ہم کر سکتے ہیں کہ اوس کے حق میں دعائے ہدایت کریں خیر جو کچھ بھی ہو ہم مشتہر صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ چاروں مذاہب ناحق ہی سہی مگر جواب ترکی بہ ترکی کے طور پر ہم دریافت کرتے ہیں۔ ذرا سوچ کر ہم کو بتلائے کہ صحاح ستہ میں بھی باہم اختلاف عظیم ہے اون میں سے کون سی کتاب کے موافق پیغمبر علیہ السلام کا مذہب تھا تا کہ اوس کے موافق ہم تم محمدی بن کر سرخرو ہوں اور بقیہ کتب خمسہ کو پس پشت ڈالیں مگر خدا کے لیے اوس کی تعیین باقوال امت نفرمائے کہ وہ مسموع نہ ہوگی بلکہ بحدیث نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے کہ وہ سرمہ سا آنکھوں پر رکھی جائے گی اور اگر یہ فرمادیں کہ صحاح ستہ سب یا چند برحق ہیں تو وہ ہی خدشہ خلش جان ہوگا جو ائمہ متعددہ کے برحق ہونے میں لاحق تھا۔ بالجملہ کوئی وجہ تفرقہ دونوں میں ارشاد ہو۔ خیر یہ تو الزامی جواب تھا اب ہم اپنے سنجیدہ برادران حدیث کی خدمت میں تحقیقی جواب مودبانہ لکھتے ہیں بغور و تامل ملاحظہ فرمائیں۔ جو لوگ قرآن وحدیث میں بغور صائب خوض وفکر کے عادی ہیں اون کے نزدیک یہ بات بدیہات اوّلیہ سے ہے کہ کسی کا برحق ہونا اور چیز ہے اور مصیبت حق ہونا اور چیز ہے دونوں میں نسبت عموم وخصوص ہے جیسا کہ حیوان وانسان میں یہی نسبت ہے۔ عند اللہ مقبولیت کا دار و مدار برحق ہونے پر ہے جس کو بزبانِ عربی اصابت حق کہتے ہیں۔ بلکہ مخطی حق بھی بحدیث نبوی مقبول و ماجور ہے۔ اگر چہ حق نفس الامری اوس کو نہ ملے صحیحین میں ہے۔

اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَاِذَا اجْتَهَدَ فَاَخْطَاء فَلَهُ اَجْرٌ وَاحِدٌ

یعنی جب شرعی حکم لگانے والا کوشش کرتا ہے اور ٹھیک بات کو حاصل کر لیتا ہے تو اوس کو دوہرا ثواب ملتا ہے۔ اور جب کوشش کی مگر حق بات کو حاصل نہ کر سکا تو اوس کو اکہرا ثواب ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ پاک کی طرف سے ثواب ملنا تھوڑا ہو یا بہت بلا مقبولیت کے ناممکن ہے تو معلوم ہوا کہ ساعی ناکامیاب بھی عند اللہ مقبول و ماجور ہے۔ سو یہی معنی اوس کے برحق ہونے کے ہیں کہ عتاب خداوندی سے محفوظ رہا اور ثواب الٰہی سے محفوظ ہوا۔ زیادہ تشریح اس کی سنی اگر مطلوب ہے تو سنئے برحق ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ شخص اوس طریق پر چل رہا ہے۔ جو شارع علیہ السلام نے اثبات مسائل کے لیے تجویز کیا ہے وہ طریق یہ ہے جو بروایت ترمذی مروی ہے۔

عَنْ مَعَاذٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهٗ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِىْ اِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَآءٌ قَالَ اَقْضِىْ بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِىْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَجْتَهِدُ رَاْئِىْ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى صَدْرِهٖ وَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا يَرْضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یعنی معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ نے ان کو یمن کا عامل بنا کر روانہ فرمایا تو پوچھا کہ جب کوئی قضیہ تمہارے سامنے پیش آوے تو کس طرح فیصلہ کرو گے۔ عرض کیا کہ قرآن پاک کے موافق، فرمایا اگر اوس میں تم کو نہ ملے۔ عرض کیا کہ تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق۔ فرمایا اگر اس میں بھی تم کو نہ ملے۔ عرض کیا کہ تو اپنی رائے سے سوچ بچار کر حکم دوں گا۔ اس پر آپ نے خوش ہو کر ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اوس نے فرستادہ کو اوس پسندیدہ قاعدہ کی توفیق عطا فرمائی جس کو اس کا رسول پسند کرتا ہے۔ الحاصل جو شخص اس قانون شرعی پر عامل ہوگا تو وہ طریق حق پر چلنے والا ہوگا۔ اور وہ

آیت قرآنی اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِنْ رَّبِّهِمْ کا مصدق ہوگا۔ پھر جو شخص اس قانون پر چلے اور نفس الامری بات کا بھی اوس کو پتہ لگ گیا تو اس کو دہرا ثواب ملے گا۔ اپنی محنت فکری کا بھی اور اصلی بات پالینے کا بھی اوس کو بزبان عربی مہتدی مُصیبِ حق کہتے ہیں۔ اور اگر اوس کو اصلی بات کا پتہ نہ لگا بلکہ اپنے ظن غالب پر عمل کیا تو اوس کو اکہرا ثواب ملے گا۔ یعنی اوس کی محنت فکری کا نہ اصابت حق کا اس کو بزبان عربی مہتدی مخطی حق کہتے ہیں اس کو ثواب اس وجہ سے ملا کہ اوس کی نیت بخیر تھی۔ اصل بات کے دریافت کرنے میں بقاعدہ شرعیہ محنت کی مگر ناکامیاب رہا۔ سو طریق حق پر تو چلا۔ مگر امر حق تک نہ پہنچ سکا۔ سو جیسے کوئی شخص بہ ارادہ ہجرت گھر سے نکلا مگر دار الہجرت تک نہ پہنچ سکا تو بفضل الٰہی اس کا ثواب ہجرت واجب ہو گیا۔ ارشاد خداوندی ہے۔ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ یعنی جو شخص بقصد ہجرت اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا، پھر راستہ میں اوس کو موت آدباوے تو اوس کا ثواب اللہ کے نزدیک واجب ہو چکا۔ سو دین محمد خیال فرماوے کہ جب دنیوی راستہ میں جو کوئی شخص بہ نیت خیر چلا۔ اور بے اختیار مر گیا اور ناکامیاب رہا مطلوب اصلی تک نہ پہنچ سکا تو اوس کا ثواب ضروری ہو گیا۔ تو کیا جو کوئی شخص اخروی راستہ بقاعدہ نبوی طے کر رہا ہو اور اصل مطلوب تک کسی وجہ غیر اختیاری سے نہ پہنچ سکا ہو تو وہ ثواب سے محروم رہے گا؟ ہرگز نہیں۔ جب ہر باب میں اصلی بات کو دریافت کر لینا انسانی طاقت سے باہر ہے اوس کی نایافتگی پر ہرگز حرمان ثواب مترتب نہیں ہو سکتا۔ ارشاد خداوندی ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یعنی اللہ پاک کسی کو اس کی طاقت سے باہر چیز کی تکلیف نہیں دیتا ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ لفظ حق بمعنی راہ شریعت بھی کبھی مستعمل ہوتا ہے اور کبھی بمعنی امر واقعی جب یوں کہیں کہ جملہ صحابہ وائمہ مابعد برحق ہیں تو مراد یہ ہوتی ہے کہ سب راہ شریعت پر چل رہے ہیں اور جب یوں کہیں کہ اونمیں سے کوئی مصیب حق ہے اور کوئی نہیں تو مراد یہ ہوتی ہے کہ امر واقعی کسی کو ملا اور کسی کو نہیں ملا۔

دین محمد۔ نے افسوس کہ اس فرق جلی کو نہ سمجھا۔ ورنہ تحریر مذکور طبع نہ کراتا۔ سوخلاصہ کلام یہ ہے کہ قواعد شرعیہ کے موافق اجتہاد کرنے والے خواہ صحابہ ہوں یا ائمہ مابعد سب برحق و مہتدی ہیں۔ منشاء خداوندی نفس الامری اون کو چاہیے نہ ملا ہو۔ سب ثواب اندوز ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ثواب پانے والے عنداللہ مقبول و ماجور ہیں۔ سو بلحاظ ثواب تو سب برحق ہیں اور بلحاظ امر نفس الامری کوئی مصیب ہے اور کوئی مخطی ہے سو یہ دونوں قسم برحق کی اقسام ہیں اور برحق دونوں کا مقسم۔ اور ظاہر ہے کہ ہر مقسم اپنی ہر قسم کی ضمن میں متحقق ہوتا ہے۔ سو جن کو حق نفس الامری مل گیا وہ تو برحق ہیں مگر جن کو خطائے نفس الامری لاحق ہوئی ہو وہ بھی برحق ہیں، گمراہ نہیں ہیں ہاں مخطی حق ہیں اور ظاہر ہے کہ مصیب حق اور مخطی حق دونوں مفہوم برحق کی ایسی ہی دو قسم ہیں۔ جیسے کہ مرد و عورت انسان کی دو قسم ہیں۔ سو جیسے انسان مومن کی ہر دو قسم ثواب کے مستحق ہیں۔ اگرچہ ثواب میں باہم متفاوت الدرجہ ہیں۔ ایسی ہی برحق کی دونوں قسم مصیب حق و مخطی حق مستحق ثواب ہیں۔ اگرچہ باہم ثواب میں دوہرے اکہرے کا فرق ہے۔

دین محمد نے مخطی حق کو مرادف ضال خیال کیا۔ اس لیے اوس کو مقابل مہتدی سمجھ بیٹھا۔ حالانکہ مخطی مقابل مصیب حق ہے اور یہ دونوں متقابلین مفہوم برحق یعنی مہتدی کی دو قسم ہیں۔ اور دونوں ماجور و مقبول ہیں۔ اس کی تشریح واضح یہ ہے کہ لغت عرب میں لفظ ہدی اور لفظ ضلال باہم متقابل ہیں۔ سو دونوں کی مشتقات بھی باہم متقابل ہوں گے۔ قرآن شریف میں ہے۔ وَاِنَّـا اَوْ اِيَّـاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِىْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ یعنی ہم یا تم حق پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں۔

سو مہتدی و ضال ایک دوسرے کی ضد ہے۔ ایک شخص کا وقت واحد میں مہتدی و ضال ہونا ممتنع ہے مگر مہتدی کا مخطی حق ہونا ممکن و واقع ہے۔ اس تفرقہ کی لم یہ ہے کہ مہتدی و ضال کا مقسم عام طالب حق ہے۔ سو جب آدمی مقام طلب میں ہوتا ہے تو اگر مطلوب کے صحیح راستہ پر چلتا ہے تو وہ مہتدی کہلاتا ہے۔ اور اگر غلط راستہ پر ہوتا ہے تو وہ ضال یعنی گمراہ کہلاتا ہے سو

یہ کتنا ہی تیز گام ومحنتی ہو مطلوب حقیقی تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اور پہلا شخص کتنا ہی ست قدم ہو ہر آن مطلوب سے نزدیک ہوتا جاتا ہے علی ہذا جو شخص مقام طلب میں نہیں ہوتا ہے تو یہ عدم طلب اگر بوجہ عناد قلبی ہے تو وہ معاند حق کہلاتا ہے۔ اور اگر بوجہ لاپرواہی ہے تو وہ غافل عن الحق کہلاتا ہے۔ ان دونوں کا مقسم عام تارک حق ہے۔ جیسا کہ پہلی دو قسم کا مقسم طالب حق تھا معاند حق کے بارے میں ارشاد ہے۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل: ١٤)

یعنی وہ انکار کر بیٹھے اپنی ناانصافی وبڑائی سے۔ حالانکہ اون کے جی اوس پر پورا یقین رکھتے تھے۔

اور غافل حق کے بارے میں ارشاد ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (الاعراف: ۱۷۹) یعنی یہ لوگ چوپایوں کی مثل ہیں بلکہ اون سے بھی گئے گزرے یہی لوگ پورے بے خبر ہیں۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شخص ضال یعنی گمراہ ہر دو یعنی معاند حق اور غافل عن الحق سے فی الجملہ بہتر ہے کیونکہ اس کے دل میں طلب حق تو ہے اگر چہ اور راہ پر ہولیا ہے اور اون ہر دو کے دلوں میں طلب اصلا نہیں ہے بلکہ اول دشمن حق ہے اور دوم حق سے بے پرواہ ہے۔ شاید اسی وجہ سے اللہ پاک نے سورۃ فاتحہ میں اول فریق یعنی یہود کو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِ قرار دیا ہے کہ وہ صریح معاند حق ہیں اور فریق دوم یعنی نصاریٰ کو ضال قرار دیا ہے کہ طالب حق تو ہیں مگر بے راہ ہیں اور اسی طلب قلبی کی وجہ سے نصاریٰ کو دوسری آیت میں اَقْرَبُ اِلَى الْاِسْلَامِ جتایا ہے مگر چونکہ ضلال ہو یا عناد ہر ایک مطلوب اصلی سے محروم کرنے والا ہے۔ اس لیے ہم کو تعلیم ہوئی کہ راہ معاندین اور راہ ضالین سے پناہ مانگو۔

الحاصل مہتدی وہ شخص ہے جو راہ شریعت پر بقواعد شرعیہ چلے پھر ہر مسئلہ میں امر نفس الامری ملے یا نہ ملے۔ کچھ خطرہ نہیں کہ اللہ پاک نے اپنے فضل سے خطا ونسیان کو معاف فرما

دیا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَاء وَالنِّسْیَانُ سو جملہ صحابہ وائمہ اربعہ نیک نیتی کے ساتھ تعیین حق میں کوشاں رہے۔ مگر ضرور ایک نہ ایک کو ہر خاص بحث میں خطا لاحق ہوئی لیکن اوس خطا کی تعیین ایک جانب میں کرنا بشری طاقت سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اوس کی تعیین جانتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ کو مطمئن کر دیا ہے کہ ایسی خطا پر ہماری طرف سے بجائے عتاب کے ثواب ملے گا۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ حَمْدًا مُتَوَالِیًا وَمُتَكَاثِرًا مگر دین محمد مذکور ائمہ اربعہ کو ایسی خطاؤں پر مورد عتاب جانتا ہے سو یہ اوس کی سفاہت ہے جیسے ایک اعرابی نے دعا کی تھی کہ یا اللہ مجھ کو اور محمد کو رحم کرنا اور کسی اور کو ہمارے شریک نہ کرنا۔ سو آپ نے ارشاد فرمایا لَقَدْ تَحَجَّرتَ وَاسِعًا یعنی تو نے وسیع رحمت کے دائرہ کو نہایت تنگ کر دیا ہے۔ ایسے ہی اس وقت دین محمد مذکور اہتداء کے دائرہ کو تنگ کرنا چاہتا ہے۔

سنو طالب فہمیدن جب کسی مشتبہ امر کو دریافت کرنا چاہتا ہے تو اوس کے پیش نظر دو امر ہوتے ہیں۔

اول اوس امر مشتبہ کی حقیقت واقعیہ کا جاننا۔ دوم تحصیل مطلوب کے قواعد وضوابط کو ملحوظ رکھنا سو حقیقت واقعیہ پر پہونچنے یا نہ پہنچنے کا نام اصابت وخطا ہے اور قواعد مذکور کو ملحوظ رکھنے یا نہ رکھنے کا نام ہدیٰ وضلال ہے سو جس شخص نے قواعد نبویہ کو ملحوظ رکھا وہ مہتدی ہے۔ امر واقعی کو حاصل کر سکا ہو یا نہ کر سکا ہو اور جس نے اون قواعد کو نظر انداز کر دیا اور رائے زنی اور ہوائے نفس پر کار بند ہوا ہو وہ ضال ہے۔

سو جملہ اہل سنت وجماعت صحابہ سے لے کر اس وقت تک اون قواعد شرعیہ سے متمسک ہیں۔ اس لیے وہ سب مہتدی ہیں اور دیگر فرق باطلہ اون قواعد سے منحرف ہیں۔ اس لیے وہ

ضال ہیں باقی امورِ مشتبہ جن میں صحابہ سے لے کر اس وقت تک اختلاف واقع ہے۔ وہ دو قسم ہیں ایک وہ آیات واحادیث جن میں بظاہر تعارض ہے۔ دوم وہ امور جن میں کوئی نص صریح وارد نہیں ہے۔ لامحالہ اون کا حکم کسی نص صریح کے تحت میں داخل کرنے سے حاصل کیا جاتا ہے سو اوس کا نام استنباط مسائل ہے اور نصوص متعارضہ میں ایک نص کی ترجیح دوسری نص پر بقواعد شرعیہ کا نام تحری دلائل ہے۔ یہ دونوں اقسام شرح اجتہاد ہیں۔ ان میں خطائے نفس الامری لاحق ہو جانا مستبعد نہیں مگر یہ خطا عند اللہ معاف ہے۔ ایسا خطا کار بھی عند اللہ مہتدی ہے۔ ضال نہیں ہے اس لحاظ سے جملہ صحابہ وائمہ اربعہ مہتدی ہیں۔ اکہرے یا دوہرے ثواب سے محروم نہیں ہیں۔ ہاں دیگر فرقہ باطلہ اس ثواب سے محروم اس لیے کہ وہ ضال ہیں کہ طرق شرعیہ کو اونہوں نے چھوڑ دیا ہے۔ بہرحال دین محمد کا یہ خیال کہ جس کو خطائے نفس الامری لاحق ہو وہ مہتدی نہیں ہے۔ حدیث وقرآن کے سراسر خلاف ہے اس خیال کے موافق نہ جملہ صحابہ مہتدی ہو سکتے ہیں نہ ائمہ اربعہ ورنہ اگر باوجود لحوق خطا صحابہ تو مہتدی ہیں۔ اور ائمہ اربعہ ضال ہو جائیں تو اوس کی کوئی وجہ موجہ دین محمد بیان کرے۔ کوئی عاقل ایسے بے ہودہ تفرقہ کو باور نہیں کر سکتا ہے لامحالہ ہماری تحریر گزشتہ پر اذعان رکھنا ہر محدث و فقیہ اور ہر عام وخاص پر فرض، ضروری ہوا۔

دیکھو بحالت اشتباہ قبلہ سمتِ تحری قبلہ نماز ہے اوس نماز پر اگرچہ نفس الامر میں وہ تحری خطا ہو وہی ثواب بلاکم وکاست مترتب ہے جو بحالت تیقن سمت قبلہ مرتب تھا۔ اسی وجہ سے اگر بعد ختم نماز اپنی خطا کاری معلوم ہو جائے تو باتفاق فریقین ضرورت اعادہ نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ یعنی ایسی حالت میں جدھر کو اپنا رخ کرو گے اودھر ہی خدا کی توجہ ہوگی۔

علیٰ ہذا حضرت داؤد علیہ السلام کو قصہ حرث میں خطا لاحق ہوئی۔ مگر پھر بھی عند اللہ مہتدی رہے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اون کی اقتدا کا حکم ہوا۔

قرآن پاک میں ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِه یعنی داؤد علیہ السلام و دیگر انبیاء خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں۔اے نبی تو اون کی روش کی پیروی کر۔دین محمد اور اوس کے اتباع کو زیبا ہے کہ کتب تفاسیر میں اس قصہ حرث کو بغور وفکر سمجھ لیویں تا کہ لحوق......اہتدا کے منافی نہ ہونا محقق ہو جاوے۔آئندہ ایسی سفیہانہ تحریر شائع نہ کریں۔

کوئی سنجیدہ آدمی آپ کا مقلد وہم خیال نہیں ہوسکتا۔ہم نے ایسے ہی مشتبہ ابحاث میں ایک رسالہ (الفرقان فی قراۃ ام القرآن) طبع کرایا ہے جس کی ضخامت ۳۰۰ صفحہ کی ہے۔جملہ اہل حدیث کو اوس کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔اوس کی ابتدائی تمہید میں جملہ مباحث مشتبہ کو کھول دیا ہے۔

اوس کے دیکھنے سے علاوہ تحقیق علمی کے باہم اتفاق واتحاد پیدا ہوگا۔اور امام اعظم کا عامل بالحدیث ہونا ایسی طرح آشکار ہوگا کہ کوئی اہلحدیث بھی شرط انصاف اوس نے انکار نہ کر سکے گا۔جس کو شوق ہو ہم سے بہ پتہ ذیل طلب فرماویں اوس کی قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول ڈاک ہے۔

الراقم

محمد ناظر حسن نقشبندی

(صدر مدرس مدرسہ عربیہ)

محمودیہ ریاست چھتاری ضلع بلند شہر

المرقوم ۲۵ جمادی الاولی ۱۳۲۹ھ پنجشنبہ

ماخوذ: ضمیمہ سراج الاخبار مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۱۱ء

یہ تحریر السیف الصارم لمنکر الشان امام الاعظم کے آخر میں موجود ہے۔جو مجموعہ جواب الجواب کے ساتھ شائع ہوا تھا۔

ھدیہ سنیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

تمہید

دارالعلوم دیوبند کے ایک ذی استعداد فہیم فیضیافتہ نے حضرت مولانا مولوی شبیر احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں دو شبہے تحقیق کی غرض سے پیش کیے تھے۔ حضرت مولانا ممدوح نے باوجود کثرت مشاغل محققانہ جواب تحریر فرمایا۔ چونکہ اس قسم کے شبہات علمی دنیا میں اکثر پیش آتے رہتے ہیں اور حضرت مولانا ممدوح نے جس تحقیق اور جدت سے جواب تحریر فرمایا ہے وہ مفید اور حقائق علمیہ سے معمور ہونے کے باوجود حسن بیان میں بھی اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ اس لیے اہل علم کی خدمت میں سوالات و جوابات دونوں کو بطور ایک نادر تحفے کے پیش کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ اہل علم اس کو بہت پسند فرماویں گے۔ ہماری دعا ہے کہ قادر مطلق مولانا کے علمی فیوض کے اس سلسلہ کو تا قیام قیامت قائم رکھ کر تشنگان علم کو سیراب فرماتا رہے۔ آمین

سوالات

مجمع الحسنات والکمالات مخدومنا المکرّم حضرت استاذی صاحب قبلہ دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ طالب الخیر بعافیت ہے چونکہ خاکسار خدمت عالی میں کبھی ارسال عریضہ نہ کر سکنے کی وجہ سے سخت ندم ہے اس لیے اولاً نہایت متند مانہ لہجہ میں اپنی سابقہ غفلت وتساہل کی معافی کی درخواست ان الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ ''قلم عفو بر گناہم کش'' اور بعدازیں حسب ذیل مسائل کی جانب آنجناب کی توجہ منعطف کرنا چاہتا ہے امید کہ بلحاظ شفقت استادانہ میرے خلجان وانتشار کو زائل کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔

حقیقت اور بطلان اور مذاہب اربعہ

(۱)......حقیقت اور بطلان واقعی اعتبار معتبر پر مبنی نہیں ہے اور امور واقعیہ کے وجودات اور اعدام لحاظِ لاحظ کے تابع نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حیثیات اعتباریہ مبطل یا مغیر حقائق نفس الامری نہیں ہو سکتے۔ اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جب مذاہب ائمہ اربعہ کی حقیقت پر غور کرتا ہوں جس کو ہر خاص و عام میں شہرت کا فخر حاصل ہے۔ تو عقل نارسا ادراک حقیقت سے قاصر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان مذاہب میں باہم بعض ایسے مسائل نظر آتے ہیں۔ جن میں کم از کم نسبت تضاد کی پائی جاتی ہے۔ اور یہ مسلم الثبوت امر ہے کہ ''**الضدان لا یجتمعان**'' پس ان مذاہب کو حق تسلیم کرنے پر عالم واقع میں اجتماع اضداد حالت واحدہ میں لازم آتا ہے۔ جس کا بطلان ابدہ البدیہات سے ہے اور یہ بھی ظاہر ہے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ حقائق واقعیہ پر حیثیات زائدہ کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا پس ان کے حق ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

جنت اور دوزخ کو تمثیلی اشیاء سمجھنا

(۲)......ایک وہ شخص ہے جو دوزخ وجنت پر تو ایمان رکھتا ہے مگر جو امور قرآن شریف و

کتب احادیث میں جنت کے متعلق مذکور ہیں ان کو صرف تمثیلات پر محمول کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ چونکہ دنیاوی نقطہ نظر سے وہ انتہائی انعامات تھے اس لیے ان کو بیان کر کے اس امر کی جانب اشارہ کر دیا گیا ہے کہ اہل جنت کے لیے جنت میں تمام آرام و آسائش کی چیزیں مہیا کی گئی ہیں۔ ورنہ جنت کی حقیقت نہ کسی کو معلوم ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ''**لا عینٌ رأت ولا اذنٌ سمعت ولا خطر علی قلب بشر**'' الغرض اس سے ثابت ہو گیا کہ ''رویت، سماعت، خطور بالبال'' خلاصہ یہ کہ کسی ذریعہ سے جنت کی حقیقت کسی پر منکشف نہ ہو سکی۔

بعینہٖ یہی خیال اس شخص کا جہنم کے متعلق بھی ہے۔ پس یہ خیالات کہاں تک صحیح ہیں اور شرعاً اس شخص کا کیا حکم ہے۔

جواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر مکرم سلمکم اللہ تعالیٰ، بعد سلام مسنون آنکہ آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ حق تعالیٰ شانہ مجھ کو اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنی رضا کی توفیق عطا فرمائے۔ جن مسائل کی بابت آپ نے دریافت فرمایا ہے۔ مجھ کو حیرت ہے کہ باوجودیکہ وہاں ماشاء اللہ بہت سے اہل علم اور اہل علم کے فیض یافتہ موجود ہیں جو بفضلہٖ تعالیٰ مشکل سے مشکل مسائل کو مجھ سے زیادہ زور اور قوت کے ساتھ حل کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ آپ ان سے مشافہۃً بہت جلد اور بسہولت اس قدر اطمینان حاصل کر سکتے تھے۔ جو شاید میرے متعدد خطوط سے بھی حاصل نہ ہو سکے۔ پھر آپ نے مجھ کو خط لکھنے کی زحمت کیوں اٹھائی۔ حالانکہ آپ دیوبند میں رہ چکے ہیں۔ میری حالت سے بھی بہر حال واقف ہیں کہ میری ہیچمدانی اور لاابالی پن حد سے زیادہ گزرا ہوا ہے۔ اس لیے کبھی کبھی یہ خیال ہوا کہ آپ کا خط یہاں کسی عالم جید کا حوالہ کر دوں تاکہ وہ آپ کی تسکین کر دے۔ لیکن یہ خیال کر کے کہ یہاں سے جانے کے بعد یہ آپ کی پہلی عنایت

ہے دل گوارا نہیں کرتا کہ کچھ بھی جواب نہ لکھا جائے۔ لہٰذا جس طرح ان مسائل کو میں اب تک سمجھے ہوئے ہوں مختصراً قلمبند کر کے آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔ اگر شفا ہو جائے تو حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کیجیے اور بصورت دیگر مناسب ہوگا کہ دوسرے علماء متبحرین سے رجوع کیا جائے۔

پہلا مسئلہ:

یعنی مذاہب اربعہ کی حقیقت کے متعلق جو کچھ بندہ نے اہل السنۃ والجماعت کی کتابوں کا مطالعہ کر کے اب تک منقح کیا ہے۔ اس کو پیش کروں گا۔

فان یك صوابا فمن الله سبحانه وتعالی وان یك خطا فمنی ومن الشیطان ولا حول ولا قوۃ الا بالله العلی العظیم لا اله غیره ولا خیر الا خیره

پہلے سوال کا جواب:

سب سے پہلے یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سوال اول میں غور و تنقیح کے بعد دو جز و نکلتے ہیں:

(۱)...... کسی چیز کا حق یا باطل ہونا اعتبار معتبر و لحاظ لاحظہ پر مبنی نہیں ہوسکتا اور حیثیات زائدہ اعتباریہ حقائق واقعیہ کے لیے مبطل، یا مغیر نہیں ہوسکتی۔

(۲)...... مذاہب ائمہ اربعہ واقع میں سب حق ہیں حالانکہ ان مذاہب میں بہت سے ایسے مسائل ہیں جو باہم متضاد ہیں مثلاً سب سے بڑا تضاد یہ ہے کہ ایک چیز کو ایک امام واجب یا فرض قرار دیتے ہیں اور دوسرے اس کو مکروہ تحریمی یا حرام وعلی ہذا القیاس تو اضداد کا اجتماع ایک ہی چیز کے اندر اور ایک ہی وقت میں کیسے حق ہوسکتا ہے اور اگر ان میں باہم حیثیات کا فرق نکالا جائے تو وہ بحکم مقدمہ اولیٰ صحیح نہیں۔

آپ کے یہ دونوں دعوے تشریح طلب ہیں الفاظ ایسے مجمل اور ذو الوجوہ اختیار کیے گئے

ہیں کہ جن سے کئی معنے کا احتمال ہوتا ہے پس جب تک ہر ایک لفظ کی کما حقہ تشریح اور محتملات عبارت میں سے بعض کی تعیین نہ ہو جائے کچھ رائے زنی کرنا بے سود ہے۔

مذاہب اربعہ میں اختلاف کی حقیقت:

دعویٰ اول میں اگر یہ ارادہ کیا گیا ہے کہ کسی چیز کے ساتھ مختلف اعتبارات اور حیثیات لگ جانے سے اس چیز کی حقیقت یعنی ماہیت نفس الامر یہ بدل نہیں سکتی مثلاً زید زمین پر چل رہا ہو یا ہوا میں اڑ رہا ہو یا کھانا کھا رہا ہو یا بھوکا مر رہا ہو، تحصیل علم میں مشغول ہو یا لہو ولعب میں اپنی عمر تباہ کرتا ہو ہر حالت میں اور ہر ایک حیثیت کے لگ جانے کے وقت اس کی حقیقت وہی حیوان ناطق رہتی ہے اور زید کو کسی طرح لحاظ کر و اس کی حقیقت میں ذرا فرق نہیں آ سکتا تو بلا شبہ مشائین کے مذاق کے موافق یہ دعویٰ صحیح ہے اور ہم کو اس سے انکار کرنے کی ضرورت نہیں مگر مذاہب اربعہ کی حقیقت کے مسئلہ سے یہ دعویٰ محض بے تعلق ہے کیونکہ ائمہ اربعہ مثلاً جس چیز کے وجوب وحرمت میں مختلف ہیں تو ہر مجتہد کی تصویب کرنے والے بھی یہ نہیں کہتے کہ اس چیز پر مختلف اور متضاد احکام جاری ہونے سے (جو ان کے زعم میں بسبب اختلاف نسب واعتبارات کے جاری ہوئے ہیں) خود اس چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے مثلاً قے یا رعاف ان کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناقض وضو کہتے ہیں اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ناقض نہیں ہے تو دونوں صورتوں میں قے اور رعاف کی حقیقت اسی طرح محفوظ رہتی ہے جس طرح کہ زید کی حقیقت حالت تحصیل علم اور لہو ولعب میں یا مثلاً یہ نہیں کہا جاتا کہ اس فاتحہ کی حقیقت کچھ اور ہے جس کو امام صاحب مقتدی کے حق میں مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں اور جس کو امام شافعی ہر ایک مصلّی کے حق میں فرض فرماتے ہیں۔ اس کی کوئی دوسری حقیقت ہے پس اگر مختلف اعتبارات وحیثیات کے طاری ہونے سے آپ کا یہ خیال ہے کہ اس شے کی حقیقت واقعیہ نہیں بدلتی تو میں اور بہت عقلا آپ کے ہم آہنگ ہیں اور اس کا انکار آپ نے کسی سے نہ سنا ہوگا لیکن اگر یہ مقصد آپ کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ کسی شے کے ساتھ حیثیات زائدہ اور

اعتبارات کے لگ جانے سے اس پر نفس الامر میں مختلف احکام جاری نہیں ہو سکتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ آپ نے یہی نہیں کہ محض ایک بے سند دعویٰ کیا ہے بلکہ ایسا دعویٰ کر کے ان سینکڑوں دلائل اور شواہد کو جھٹلا دیا جو اس دعوے کی بانگ دہل تکذیب کرتے ہیں۔ مثلاً زید کو دیکھئے کہ وہ ایک شخص ہے اور اس کی ایک غیر مبتدل حقیقت ہے لیکن وہ اتفاق سے عمرو کو بیٹا اور خالد کا باپ اور ہندہ کی اولاد اور زینب کا شوہر ہے تو کیا ان سب نسبتوں اور اعتبارات اور حیثیات کے لگنے کے بعد جو کہ اس کے نفس حقیقت سے یقیناً خارج ہیں ایک ہی وقت میں اور ایک ہی آن میں اس پر ان مختلف اعتبارات ونسب میں سے ہر ایک کے مناسب احکام وحقوق جن میں بعض متضاد بھی ہیں باتفاق عقلائے دنیا عائد نہیں ہوتے کیا جس طرح اس کو ہم اس کے بیٹے خالد کے اعتبار سے مطاع اور واجب التعظیم کہتے ہیں۔ اسی طرح اس کے باپ عمرو کے اعتبار سے بھی سمجھیں یا جس طور پر کہ اس کو اپنی زوجہ زینب پر تصرف کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اس طور سے ہندہ کے مقابلہ میں بھی (جو اس کی ماں ہے) مطلق العنان چھوڑ دیا جا سکتا ہے۔ حاشا ثم حاشا حالانکہ ہر ایک حالت میں اس کی حقیقت اور ماہیت جوں کی توں باقی رہی البتہ ابوۃ بنوۃ اور زوجیت وغیرہ نسبتیں لگ جانے سے اس کے حق میں مختلف احکام تجویز ہو گئے اس کی مثالیں ایک دو نہیں، دس بیس نہیں، پچاس سو نہیں، لاتعد ولا تحصی ہیں۔ ضلع کا مجسٹریٹ باشندگان ضلع پر حاکم مگر گورنمنٹ آف انڈیا یا ویسرائے یا لیفٹیننٹ گورنر کا محکوم ہے تو کیا جو احکام ومعاملات اس کے لیے باعتبار رعایا کے تسلیم کیے جائیں گے وہی باعتبار حکام بالا دست کے بھی ماننے پڑیں گے۔ ایک ہی مرغن غذا ایک تندرست آدمی کھا کر زیادہ قوی اور توانا ہوتا ہے۔ لیکن ایک ضعیف المعدہ مریض کو اس کا استعمال ہلاکت سے قریب تر کر دیتا ہے ایک ہی نسخہ ایک طبیب کا تجویز کیا ہوا ایک ہی وقت میں ایک مریض کے حق میں اکسیر شفا ثابت ہوتا ہے مگر دوسرے مریض کے لیے جس کا مرض اس طرح کا نہ ہو سم قاتل سے کم نہیں رہتا ان سب صورت میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ ایک چیز ایک ہی وقت میں ایک ہی شیشی میں عطار کی دوکان یا سرکاری ہسپتال میں رکھی ہوتی

ہے اس کو ہم کسی طرح مفید بھی مضر بھی مجنی بھی اور مہلک بھی واجب الاستعمال بھی اور ممنوع الاستعمال بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہوگا کہ یہ سب احکام واوصاف واقعیہ اس دوا کے لیے مختلف استعمال کرنے والوں کی نسبت سے ثابت ہوئے ہیں جس کی واقفیت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ اب آپ کا قاعدہ کہاں درست رہا کہ مختلف حیثیات زائدہ کے لگنے سے کسی چیز کے واقعی احکام نہیں بدل سکتے کیونکہ یہاں ماہیت اور حقیقت تو اس دوا کی غیر متغیر ہے جو کچھ بھی اختلاف آیا ہے۔ بیش بریں نیست کہ آپ یہ کہیں گے کہ مذاہب اربعہ پر اس مثال کے انطباق کی فرقہ مصوبہ (جو کل مجتہد مصیب کا قابل ہے) کے نزدیک کیا صورت ہوگی۔ اس کے متعلق بالاجمال یوں کہا جاسکتا ہے کہ شارع کی طرف سے کسی مجتہد کو اجتہاد کی اور غیر مجتہد کو تقلید کی اجازت ہونے اور اپنے اجتہاد یا امام کے مسلک کو واجب الاتباع ٹھہرانے کے یہ معنی ہیں کہ ان کے مذاق کے موافق حق تعالیٰ شانہ کے علم ازلی میں جس فعل کا کرنا تمام بندوں کے حق میں مفید تھا اس نے تمام مجتہدین امت محمدیہ کو ان کے جواز یا وجوب پر اتفاق کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی اور جس کا چھوڑنا اصلح تھا۔ اس کے واسطے ایسے راستے نکالے اور سامان مہیا فرمائے کہ تمام مجتہدین کا اجماع اس کی حرمت یا کراہت پر ہوگیا اور جس فعل کو حق تعالیٰ شانہ نے اپنے علم ازلی میں بعض بندوں کے حق میں نافع اور بعض کے حق میں مضر سمجھا اس میں ائمہ ہدیٰ کی رائیں مختلف کردیں۔ ادھر عام مومنین کے قلوب میں خالص اپنی رحمت سے جو مومنین پر مبذول ہوتی ہے۔ ایسے مختلف ودائی اسباب پیدا فرمادیئے جو ان میں سے ہر ایک کو خواہی نخواہی ایک ایسے امام کی تقلید کی طرف لے جائیں کہ جس کا مسلک اس خاص شخص کے حق میں اصلح تھا۔ اب یہ شخص عملاً ان دواؤں کا استعمال کرے یا نہ کرے جو اس کے طبیب نے اس کو بتلائی ہیں لیکن حق تعالیٰ نے اپنی حجت اس پر قائم کردی۔ **لیهلك من هلك عن بينه ويحيى من حيّ عن بينة**

یاد رکھئے میرا اس وقت یہ دعویٰ نہیں کہ فرقہ مصوبہ کی یہ تقریر صحیح ہے یا غلط ہے محض اس قدر

گزارش ہے کہ جس طرح ایک ہی دوا مختلف مریضوں اور مختلف مواسم اور مختلف احوال مریض کے اعتبار سے نافع بھی اور مضر بھی۔ مہلک بھی اور زندگی بخش بھی ہو سکتی ہے اسی طرح فرقہ مصوبہ کے خیال میں ایک چیز اور ایک ہی کام بعض کے واسطے جائز اور بعض کے حق میں حرام بلکہ ایک ہی شخص کے لیے مختلف زمانوں کے اعتبار سے نفس الامر میں ایسا ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مقلد کو ہر وقت میں جو مسلک اس کے مناسب ہوتا ہے اسی کی طرف مائل ہونے کی اپنے فضل اور رحمت سے توفیق عطا فرماتا ہے۔ تحریر الاصول اور اس کی شرح میں اس فرقہ کے ایک طائفہ کی رائے کا جو مختصر تذکرہ کیا ہے اس تفصیل یہ ہے کہ جو بندہ نے گزارش کی۔

من شاء فليطالعه مع التدبر البالغ

الغرض مصوبہ کے زعم کو تسلیم کر کے اجتماع اضداد فی الامر کا خیال محض غلط ہے اور ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص یہ سن کر کہ کشتہ فولاد نہایت مقوی ہے اور یہ کہ نہایت مہلک بھی ہے۔ اجتماع ضدین کا خیال باندھنے لگے۔

اختلافی مسائل میں حق ایک ہے یا متعدد؟

اب میں آپ کے سوال اول کے دوسرے جزو کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو کہ اصل مقصود ہے یعنی یہ کہ مسائل مختلف فیہا میں حق عند اللہ متعدد ہوتا ہے یا واحد اور ہر ایک مجتہد مصیب ہے یا کوئی ایک غیر معین مصیب ہے اور باقی مخطی ہیں۔

تفصیل اس کی جیسا کہ علمائے محققین نے بیان کی ہے یہ ہے کہ عقلیات یعنی جن مسائل کا ماننا سماع کا موقوف نہیں مثلاً عالم کا حدوث اور صانع کا عالم کا وجود اور اس کی تمامی صفات کمالیہ اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت ان میں اختلاف کے وقت بالاجماع مصیب کوئی ایک ہے اور وہ وہی ہے جس کا اجتہاد واقع کے مطابق ہو اور اس نے کوشش کر کے حق کو پا لیا ہو۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ نفس الامر میں مثلاً عالم حادث بھی رہے اور قدیم بھی۔ یا خدائے تعالیٰ موجود بھی ہو اور معدوم بھی۔ تو لامحالہ فریقین میں سے صرف ایک ہی فریق حق پر ہو سکتا

ہے اور جو خطا پر ہے جب کہ اس کی خطا سے ملت اسلام کی یا اس کے بعض اجزا ضروریہ کی نفی ہوتی ہو تو وہ بالاتفاق کافر ہے۔ اور اگر خطا مسائل دینیہ میں سے کسی ایسے مسئلہ اعتقادیہ میں ہے کہ جس کے انکار سے ملت اسلام کے اصول ادلیہ کی نفی نہیں ہوتی مثلاً کوئی شخص قرآن مجید کو مخلوق کہے یا اس کا معتقد ہو کہ شرور اور قبائح حق تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر پیدا ہوتے ہیں تو ایسا شخص اپنی خطا سے اگرچہ مذہب مختار کے موافق صریح کافر نہ کہا جاوے لیکن مبتدع اور آثم ضرور ہے یہ تو مسائل کلامیہ کا حال تھا۔ رہ گئے مسائل فقہیہ تو ان میں سے جو شخص اپنے اجتہاد کے زور سے بدیہات فقہ کا انکار کرنے لگے۔ مثلاً نماز روزہ حج یا زکوٰۃ کی فرضیت، یا زنا سرقہ اور شراب کی حرمت کا تو نہ فقط یہ کہ وہ بالاتفاق مخطی ہے بلکہ صریح کافر اور آثم ہے ہاں اگر وہ مسائل باوجود قطعی ہونے کے بدیہات شرع میں سے نہیں ہیں جیسا کہ مثلا جواب اور قیاس شرعی کا حجت ہونا تو اس قسم کی باتوں کا نہ ماننے والا اگرچہ بلاشبہ مخطی اور مبتدع اور گنہگار ہوتا ہے مگر کفر کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جاسکتی۔

باقی ایسے مسائل فرعیہ جن میں اجتہاد کا مساغ ہو اور کوئی نص قاطع یا اجماع اس میں موجود نہ ہو تو فقط اس قسم میں نزاع ہے۔ معتزلہ اور بعض شاعرہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ وہ ایسے مسائل میں اختلاف مجتہدین کے وقت تعدد حق کے قائل ہیں جن میں سے ایک جماعت کے خیالات کا خلاصہ جز اول میں پیش کیا جا چکا ہے اور تفصیل ان کی اقوال و دلائل کی کتب اصول و کلام میں مذکور ہیں۔ حتی کہ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تعدد حق کا بیان کرتے ہوئے مسائل فرعیہ میں مجتہد فیہا کی قید بھی باقی نہیں کہ انہوں نے تعدد حق کا بیان کرتے ہوئے مسائل فرعیہ میں مجتہد فیہا کی قید بھی باقی نہیں چھوڑی جو خود قائلین تعدد حق کے نزدیک بھی ضروری تھی۔ بہر حال عامہ معتزلہ اور چند اہل السنہ والجماعت کی رائے یہ بتلائی جاتی ہے کہ وہ مسائل فقہیہ غیر منصوصہ میں تعدد حق کے قائل ہیں لیکن جمہور اہل سنت والجماعت کا جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل

ہیں۔ مذہب مختار یہی ہے کہ تمام مسائل منصوصہ اصلیہ اور فرعیہ کی طرح ان مسائل میں بھی عند اللہ کوئی ایک حق ہے کہ جس کی تلاش میں مجتہدین اپنی اپنی قوت اجتہاد صرف کرتے ہیں۔ پس جو مجتہد اپنی سعی بلیغ سے اس حکم مطلوب پر پہنچ گیا وہ تو بالبداہت کامیاب ہو گیا اور جس کی نظر سے باوجود استفراغِ وسع اور امکانی جد وجہد کے حکم مطلوب مستور رہا تو گو کہہ سکتے ہیں کہ اس کو باعتبار اصل مقصود کے کامیابی نہ ہوئی لیکن اس اعتبار سے اس کی کوشش بھی رائیگاں نہیں گئی کہ حق تعالیٰ کمال فضل واحسان سے بسبب مسائل اجتہادیہ کے غایت درجہ دقیق الماخذ ہونے کے اس کو معذرہ قرار دے کر اس کی محنت اور جد وجہد کی قدر کرتا ہے اور بجائے اس کے کہ ایک غیر معتد بہ رائے کے موافق اپنی اس خطا کی وجہ سے وہ آثم ٹھہرتا الٹا اجر اور ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ اما فی الصحیحین مرفوعًا

اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فله اجران و اذا حکم فاجتھد فاخطا فله اجر واحد

حاکم جب اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ دے اور وہ فیصلہ واقع میں بھی درست ہو تو اس کے واسطے دوہرا ثواب ہے۔ اور اس میں خطا ہوئی تو اکہرا ثواب تب بھی ہے۔

مثال سے اس کی تشریح

اس کو یوں سمجھئے کہ مثلاً فلسفہ کے ایک استاد نے اپنے تین ذہین طالب علموں کی شوق و محنت وتوجہ وفطانت کا امتحان کرنا چاہا اور اعلان کر دیا کہ تم میں سے جو شخص طبیعات شفا کے فلاں مقام کو خوب اچھی طرح سمجھ کر ہمارے روبرو ٹھیک ٹھاک بیان کر دے گا۔ اس کو ہم بیس روپیہ ایک گھڑی انعام میں دیں گے۔ اور فرض کیجیے کہ ان کو مطالعہ کرنے کے لیے ایک شب کی مہلت دی گئی۔ اب ایک طالب علم نے تو ان میں سے محض اپنی ذکاوت پر اعتماد کر کے اور شفا کی عبارت کو ایک آدھ مرتبہ سرسری نظر سے گزار کر کتاب کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اور رات بھر خواب بے فکری اور آرام کی نیند سویا مگر صبح کو جب اس نے استاد کے سامنے

کتاب کھولی تو نہ عبارت کتاب کی صحیح پڑھی اور نہ مطلب صاف بیان کیا بلکہ جو کچھ تقریر تھی وہ محض غلط تھی تو ظاہر ہے کہ ایسے طالب علم کے حق میں اس کے سوا کیا ہونا ہے کہ بجائے انعام کے مناسب سزا تجویز کی جاوے اور نفرین اور ملامت کی ہر چہار طرف سے اس پر بوچھاڑ ہو اور شفا کی جماعت سے اسے خارج کر دیا جاوے۔ باقی جو دو طالب علم اس کے سوا تھے ان کو استاد نے دیکھا کہ وہ باوجود اول درجہ کی ذہانت و فطانت کی محض اس خوف سے کہ کہیں کتاب کا مطلب سمجھنے میں کوئی سہو اور غلطی نہ ہو جائے جس سے استاد ناراض ہو جائے اور ہم عصروں کی شماتت کا موقع ملے۔ رات بھر چراغ کے سامنے آنکھیں تاپتے رہے بار بار نیند کا تقاضا ہوتا تھا۔ مگر وہ دونوں ہمت کے ذہنی شفا اور اس کے حواشی اور تعلیقات سامنے رکھے ہوئے اس مقام کی مختلف تقریروں کا موازنہ کرتے ہوئے اور شیخ رئیس کا صحیح صحیح منشاء معلوم کرنے کی فکر میں رات بھر مستغرق رہے یہ سب نظارا استاد اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں ان کی محنت اور کاوش اور انتھک کوشش کی داد دے رہا تھا۔ لیکن افسوس سوء اتفاق سے ایک طالب علم ان میں کا صبح کو جب استاد کے سامنے امتحان کے لیے حاضر ہوا تو نتیجہ خلاف امید نکلا اور بافسوس معلوم ہوا کہ تمام شب کی دوا دوش میں بھی جس کا مشاہدہ خود استاد کر رہا تھا۔ کتاب کے عمیق اور غامض مطلب تک رسائی نہ ہو سکی۔ ہاں اس کے دوسرے حریف نے کہ وہ بھی ذہانت اور محنت میں اس سے پیچھے نہ تھا۔ اس مقام کی جو تقریر کی تو وہ ایسی کہ گویا خود ابن سینا قبر میں سے اٹھ کر اپنی مراد ظاہر کرنے کے لیے آ گیا اور اس نے کتاب کے ایک ایک لفظ کی گرہ کھول دی اس وقت استاد کو اس پر پیار آیا اور اس نے اس کی پیشانی چوم لی اور خوشنما گھڑی بیس روپیہ کی جیب سے نکال کر اس کے حوالہ کی۔ لیکن اس دوسری ذہین طالب علم کی محنت کو بھی جسے وہ رات بھر دیکھ کر رحم کھاتا رہا تھا۔ اس نے کالعدم نہیں سمجھا۔ غایت شفقت سے اس کی تسکین کی اور شہسواروں کے میدان جنگ میں گرنے کی مثالیں پیش کر کے اس کو مطمئن کیا تا کہ وہ آئندہ اپنی فہم اور کوشش کی طرف سے بے پروا

اور بدگمان نہ ہو جائے بلکہ دوسرے امتحانات میں اپنے معاصر سے سبقت لے جانے کی بیش از بیش سعی کرے اس کو بھی ایک گھڑی مگر دس روپیہ کی اس کی محنت کے صلہ کے طور پر دی جیسا کہ آپ نے سنا ہو گا کہ ظاہری عثمان پاشا شیر پلونا جب دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ گئے تو خود دشمن کے یہاں ان کا جانبازانہ بسالتوں کا کیسا کچھ احترام ہوا اور سلطان المعظم نے ان کا شاندار استقبال کیا ایک فاتح جرنل کی حیثیت میں کیا اور دنیا کے عقل مند چلا اٹھے کہ عثمان کی شکست ایک ایسی شکست ہے جس پر ہزاروں فتح قربان کی جاسکتی ہیں پس ٹھیک اسی طور پر تم مجتہدین کی حالت کو سمجھو اگر بالفرض مجتہد کسی مسئلہ کا حکم صحیح دریافت کرنے میں اس پہلے طالب علم کی طرح کام میں نہ لائے تو حسب تصریح علمائے محققین یہی نہیں کہ وہ محض مخطی ہو گا بلکہ گنہگار اور آثم ٹھہرے گا۔ ہاں وہ دونوں مجتہد جنہوں نے منصب اجتہاد پر فائز ہو کر مساوی کوشش اور محنت استخراج احکام میں کہ مگر تقدیر سے ایک تو حق تعالیٰ کے صحیح منشاء کے معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا اور دوسرا ہوا تو حق تعالیٰ اپنی غایت، رافت اور رحمت سے ان دونوں کو علمی قدر مراتب اجر و ثواب مرحمت فرمانے میں تنگی نہ کریں گے اگرچہ بعض کو بعض پر فضیلت ہو جیسا کہ انبیائے مرسلین اور خلفائے راشدین میں بھی بعض بعض سے افضل ہیں۔

و ذالك فضل الله يو تيه من يشاء و الله ذو الفضل العظيم

شیخ تقی الدین کی رائے:

شیخ تقی الدین ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ مجتہدین کے واسطے ہر ایک واقعہ میں اللہ تعالیٰ کے دو حکم ہیں ایک یہ کہ اس واقعہ کے متعلق خدا کا جو کچھ حکم واقع میں ہے جس کی طرف رہنمائی کرنے والے لطیف اشارات و امارات بھی اس نے اپنے کلام میں نصب فرما دیے ہیں اس کو معلوم کریں۔ دوسرا یہ کہ ہر مجتہد بعد اپنی پوری قوت اجتہاد اور انتہائی کوشش صرف کر لینے کے جس نتیجہ پر پہنچے وہی اس کے حق میں واجب الاتباع ہے۔ پس وہ مجتہد جو ایک مسئلہ اجتہادی میں پوری جہت صرف کر لینے کے بعد بھی حق تعالیٰ شانہ کے صحیح منشاء اور مطلوب پر

مطلع نہ ہو سکا۔ اگرچہ اس حکم اول کے فوت ہونے کے اعتبار سے جس کا معلوم کرنا ہر مجتہد کے ذمہ لازم تھا۔ مخطی کہا جا سکتا ہے لیکن دوسرے حکم کے لحاظ سے ہر ایک مجتہد کو مصیب بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ جو کچھ اس نے اپنے علم اور اجتہاد سے معلوم کرلیا ہے۔ اس کے حق میں اب وہی واجب الاتباع قرار دیا گیا ہے تو جن لوگوں نے ''کل مجتہد مصیب'' کی آواز بلند کی اگر ان کی غرض یہی ہے جواب ہم نے بیان کی تو بلاشبہ اس میں تمام اہل سنت والجماعت ان کے ساتھ متفق ہیں۔

اختلافی مسائل میں عدم تشدد:

اور یہی وجہ تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں کوئی صحابیؓ دوسرے پر مسائل کی اجتہادیہ میں اختلاف رکھنے کی وجہ سے ملامت یا طعن و تشنیع نہیں کرتا تھا اور تضلیل یا تبدیع تو کجا ایک کی طرف سے دوسرے کی تاثیم بھی نہ ہوتی تھی بلکہ ایسے اختلافات کو توسعہ اور رحمت جان کر ایک دوسرے کے ساتھ نہایت رواداری کا برتاؤ کرتے تھے خود احناف کی کتابوں میں بجز ایسی سورتوں کے جس میں فساد صلوٰۃ کا مظنہ غالب ہو اقتداحنفی کی شافعی کے پیچھے اور شافعی کی حنفی کے پیچھے جائز رکھی گئی ہے اور بعض بعض مسائل ہیں جہاں فقہائے زمانہ کو شرعاً رخصت اور تیسیر کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ دوسرے ائمہ کی آرا کو معمول بہا بنا دیا گیا ہے کیونکہ کسی خاص امام کی تقلید کے لازمی معنی اگرچہ اس امام کے مذہب کو صواب اور راجح کہنا ہے لیکن پھر بھی احتمال خطا کا اعتراف اور دوسرے امام کے اجتہاد کے متعلق احتمال ثواب کی تصریح موجود ہے۔ اگر خاص خاص شرعی مصالح جن کا ادراک فقہاء کر سکتے ہیں۔ اس طرف داعی ہوں کہ بعض مسائل میں دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فتویٰ دیا جائے تو آخر پھر اس احتمال خطا و ثواب سے فائدہ اٹھانے کا اور کون سا موقعہ ہے۔

مذاہب اربعہ حق ہیں

اس لیے یہ خوب محفوظ رکھنا چاہیے کہ باوجودیکہ حق عند اللہ کے اعتبار سے ہر ایک مسئلہ

میں کوئی ایک ہی مجتہد مصیب ہوتا ہے لیکن عملاً سب حق پر ہیں یعنی حق تعالیٰ شانہ نے یہ وسعت دی ہے کہ یہ مجتہد اپنے اجتہاد کے اوپر عمل کرے اگر چہ اس کا اجتہاد باوجود پوری کوشش کے ٹھیک نشانہ پر نہ بیٹھا ہو۔ تمثیلاً یوں سمجھو کہ کعبہ نفس الامر میں ایک معین مکان کا نام ہے اور اس کا استقبال شریعت نے نماز میں ضروری قرار دیا ہے **فول وجهك شطر المسجد الحرام** لیکن جس وقت سمت کعبہ ٹھیک معلوم نہ ہو تو بعد تحری کے جو سمت معین ہو اسی کا استقبال قبول صلوٰۃ کے لیے کافی سمجھا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہماری تحری جس طرف ہو ضروری نہیں کہ نفس الامر میں خانہ کعبہ بھی اسی طرف منتقل ہو جائے پس یہ خدا کی رحمت اور انعام ہے کہ اگر چہ واقع میں مستقبل کعبہ تسلیم کر لیا گیا ہے تو باعتبار کعبہ نفس الامری اور حکم اول کے تو فقط ایک ہی شخص مصیب ہے اور سب مخطی لیکن باعتبار قبول صلوٰۃ اور امتثال امر ثانی کے سب مصیب ہیں۔ یہی مطلب ہے، حدیث **اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم** کا اگر وہ صحیح طور پر ثابت ہو جائے اور نیز حضرت الشیخ الاجل محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اس عبارت کا جو سبیل الرشاد صفحہ ۳۲ میں ہے۔

پس ہر چند کہ عند اللہ محل اختلاف میں حق واحد ہوتا ہے مگر عمل میں سب حق ہوتے ہیں ''اور یہی محمل ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اس اشارہ کل مجتہد مصیب والحق عند اللہ واحد'' اور امام ابو یوسفؒ کے اس کلام کا ''**کل مجتهد مصیب وان کان الحق فی واحد فمن اصابه فقد اصاب الحق ومن اخطأه کا فقد اخطأه. التقریر والتبحر صفحه ۳۰۸، ج۳ مصری**

حضرت امام صاحبؒ وامام ابو یوسفؒ کی ان نصوص کو ہمیشہ یاد رکھئے جن سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ امام صاحب اور دیگر ائمہ اہل سنت سے جو بعض شاذ اقوال ہر مجتہد کی تصویب کی نسبت ان کے مشہور، معروف مذہب المجتہد یخطی ویصیب کے خلاف منقول ہیں۔ وہ فی الحقیقت ان کے اصل مذہب کے خلاف نہیں ہیں تعجب ہے کہ امام عبدالوہاب شعرانی نے بھی میزان کبریٰ میں بیشتر اسی قسم کے اقوال کی سطح سے مدد لی ہے۔

علماء وفقہاء کی عبارات سے استدلال

اس جگہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ چند نقول مستند کتابوں کی آپ کے سامنے پیش کردوں جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ اصل مذہب جمہور اہل سنت والجماعت اور ائمہ اربعہ کا یہی ہے کہ اجتہادیات میں حق عنداللہ واحد ہے اور اسی بنا پر ہر مجتہد مصیب بھی ہوسکتا ہے اور مخطی بھی چنانچہ تحریرالاصول اور اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

"والمختار ان حکم الواقعه المجتهد فيها حكم معين اوجب طلبه فمن اصابه فهو المصيب ومن لا يصيبه فهو المخطى ونقل هٰذا عن الائمة الاربعة ابى حنيفةؒ ومالك والشافعى واحمد وذكر السبكى ان هٰذا هو الصحيح عندهم بل نقل الكرخى عن اصحابنا جميعًا ولم يذكر القرافى عن مالك غيره وذكر السبكى انه الذى حرره اصحاب الشافعى عنه وقال ابن السمعانى ومن قال عنه غيره فقد اخطأ. (صفحه ٣٠٦ ج٣)

"مذہب مختار یہ ہے کہ ہر واقعہ مجتہد فیہا میں ایک حکم معین ہوتا ہے جس کی تلاش خدا کی طرف سے لازم کی گئی ہے۔ پس مجتہد نے اس حکم کو پالیا وہ مصیب ہے، اور جو نہ پاسکا وہ مخطی ہے۔ چنانچہ یہی خیال چاروں اماموں (ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ) کا ہے اور سبکی نے لکھا ہے کہ یہی رائے ائمہ اربعہ کے نزدیک صحیح ہے۔ بلکہ کرخی نے تو ہمارے تمام اصحاب (حنفیہ) سے یہی خیال نقل کیا ہے اور قرافی نے اس کے سوا امام مالک سے کوئی قول نقل نہیں کیا اور سبکی نے ذکر کیا ہے کہ یہی وہ قول ہے جس کو امام شافعی کے اصحاب نے امام شافعی سے منقح کر کے لکھا ہے اور ابن السمعانی نے فرمایا کہ جس کسی نے امام شافعی سے اس کے سوا دوسرا قول نقل کیا اس نے خطا کی۔"

شیخ شمس الدین ابن القیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں:

"وقد صرح الائمة الاربعة بان الحق فی واحد من الاقوال المختلفة وليست كلها صوابًا" (ص ۳۱۰ ج۳)

"اور ائمہ اربعہ نے تصریح کی ہے کہ اقوال مختلفہ میں سے ایک ہی قول حق ہوتا ہے یہ نہیں کہ سب کے سب قول درست ہوں۔"

حافظ ابن تیمیہ فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

"(المقام الاول) هل لله فی كل حادثة تنزل حكم فی نفس الامر بمنزلة ما لله قبلة معينة هی الكعبة وهی مطلوب المجتهدين عند الاشتباه فالذی عليه السلف وجمهور الفقهاء واكثر المتكلمين او كثير منهم ان لله فی كل حادثة حكما معينا قد سميناه عفوا لكن اكثر اصحاب ابی حنيفة وبعض المعتزلة يسمون هذا الاشبه ولا يسمونه حكما وهم يقولون ما حكم الله به لكن لو حكم لما حكم الا به فهو عندهم فی نفس الامر حكم بالقوة وحدث بعد ال مائة الثالثة فرقة من اهل الكلام زعموا ان ليس عند الله حق معين هو مطلوب المستدلين الا فيما فيه دليل قطعی يتمكن المجتهد فی معرفته فاما ما فيه دليل قطعی لا يتمكن من معرفة او ليس فيه الا ادلة ظنية فحكم الله علی كل مجتهد ما ظنه وترتب الحكم علی الظن الترتب اللذة علی الشهوة فكما ان كل عبد يتلذذ بدرك ما يشتهيه وتختلف اللذات باختلاف الشهوات كذالك كل مجتهد حكمه ما ظنه وتخلف الاحكام ظاهرًا وباطنًا باختلاف الظنون وزعموا ان ليس علی الظنون ادلة كاملة العلوم وانما تختلف اختلاف احوال الناس و عاداتهم وطباعهم وهذا قول خبيث يكاد فساده يعلم بالاضطرار عقلا و شرعا وقوله ﷺ فلا تنزلهم علی حكم الله فانك لا تدری ما حكم الله فيهم وقوله لسعد لقد حكمت

فیهم بحکم اللہ من فوق سبعة ارقعة وقول سلیمان اللهم انی اسئلك حکما یوافق حکمك کله یدل علی فساد هذا القول مع کثرة الادلة السمعیة والعقلیة علی فساده" (ص ۱۷۷ ج ۳)

"پہلی بحث یہ ہے کہ کیا ہر ایک حادثہ میں جو پیش آئے خدا کی طرف سے کوئی ایک حکم معین ایسا ہوتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو ایک معین قبلہ بنا دیا ہے۔ جس کو اشتباہ کے وقت مجتہدین معلوم کرنا چاہتے ہیں تو سلف صالحین اور جمہور فقہاء اور اکثر متکلمین یا یوں کہو کہ بہت سے متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ حادثہ میں خدا کا حکم معین ہے۔ جس کا نام ہم نے عفور رکھا ہے اور اکثر حنفیہ اور بعض معتزلہ اس کو اشبہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس کو وہ حکم نہیں کہتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ گو خدا تعالیٰ نے اس حادثہ میں صاف حکم نہیں فرمایا لیکن اگر وہ حکم دیتے تو اس کے سوا حکم نہ دیتے تو ان لوگوں کے نزدیک نفس الامر میں حکم معین ہے مگر بالقوۃ پھر تیسری صدی کے بعد ایک جماعت متکلمین کی ایسی پیدا ہوئی جس کا یہ خیال ہے کہ بجز ان مسائل کے جن کے واسطے کوئی ایسی دلیل قطعی پہلے سے موجود ہو جس کی معرفت پر مجتہد پوری طرح قادر ہے باقی تمام مسائل میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی حکم معین نہیں۔ تو جن مسائل میں کوئی دلیل قطعی پہلے سے موجود تھی مگر مجتہد اس کی معرفت پر قادر نہ تھا یا سرے سے بجز ادلہ ظنیہ کے کوئی دلیل قطعی موجود ہی نہیں تھی تو ایسی صورت جس میں مجتہد نے جو رائے اپنے اجتہاد سے قائم کی بس خدا کے نزدیک بھی مسئلہ کا حکم وہی ہے اور اس تقدیر پر مجتہد کی رائے پر حکم کا ترتب ایسا ہی ہوگا جیسا کہ لذت کا ترتب شہوت پر ہوتا ہے تو جیسا کہ ہر آدمی کی جو خواہش ہو اسی کے حاصل ہونے سے اس کو لذت حاصل ہوتی ہے اور لوگوں کی خواہشات کے اختلاف سے لذات بھی مختلف ہوتی ہیں اسی طرح ان لوگوں کے نزدیک کسی مجتہد نے جو خیال کسی مسئلہ میں قائم کر لیا خدا کا حکم بھی اس کے لیے وہی ہے۔ اور مجتہدین کے خیالات کے اختلاف سے احکام خداوندی بھی ظاہراً و باطناً مختلف ہوں گے اور ان لوگوں کا گمان یہ

ہے کہ مسائل ظنیہ میں دلائل کا حال وہ نہیں جو مسائل یقینیہ میں ہوتا ہے اور ظنیات لوگوں کے حالات و عادات اور طبائع کے اختلاف سے مختلف ہوتے رہتے ہیں (حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں) کہ اس جماعت کا یہ خیال ایک گندہ خیال ہے جس کا فساد اور بطلان از روئے عقل بھی اور از راہِ شریعت بھی قریب قریب بے ساختہ طور پر معلوم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ان کو اللہ کے حکم پر مت اتارو کیوں کہ تم کو کیا معلوم ہے کہ اللہ کا حکم ان کے بارہ میں کیا ہے اور نیز آپ کا وہ ارشاد جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ بلاشبہ تو نے ان کے بارے میں وہ فیصلہ کیا جو حق تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کیا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ سوال کہ اے اللہ میں تیرے سے ایسے حکم کا خواستگار ہوں جو تیرے حکم کے موافق ہو۔ یہ سب باتیں بہت سی ادلہ عقلیہ اور سمعیہ کی معیت میں اس خیال کے بطلان کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔"

شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وقد اختلف العلماء فی ان کل مجتهد مصیب ام المصیب واحد وهو من وافق الحکم الذی عند الله تعالی والاخر مخطئ لا اثم علیه لعذره والاصح عند الشافعی واصحابه ان المصیب واحد." (ص۱۶۹ ج۴)

"اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا (مسائل مختلف فیہا میں) ہر ایک مجتہد مصیب ہے یا فقط ایک اور وہ وہی جس کی رائے اس حکم کے موافق پڑ جائے جو اللہ کے نزدیک پہلے سے متعین ہے۔ اس صورت میں دوسرا مخطی ہوگا لیکن گناہ گار نہ ہوگا کیوں کہ وہ معذور تھا تو امام شافعی اور ان کے پیروؤں کا صحیح ترین مسلک یہی ہے کہ مصیب کوئی ایک ہوتا ہے۔"

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر "انما انا بشر وانه یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض الحدیث" کے تحت لکھتے ہیں:

"وفیه ان المجتهد قد یخطئ فیرد به علی من زعم ان کل مجتهد

مصیب وفیه ان المجتہد اذا اخطاء لا یلحقه اثم بل یوجر کما سیاتی"
(فتح الباری ص ۱۳۲ ج ۱۳)

"اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مجتہد سے کبھی کبھی خطا بھی ہوتی ہے تو یہ حدیث صحیح ان لوگوں کے رد میں پیش کی جائے گی جو کہتے ہیں کہ ہر ایک مجتہد مصیب ہی ہوتا ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجتہد اگر خطا بھی کرتا رہے تب بھی گناہ گار نہیں ہوتا بلکہ ماجور ہوتا ہے جیسا کہ اس کا بیان آگے آتا ہے۔"

اور باب ما یذکر من ذم الرائے میں تحریر فرماتے ہیں:

"والی هذا یومی قول الشافعی فیما اخرجه البیهقی بسند صحیح الی احمد بن حنبل سمعت الشافعی یقول القیاس عند الضرورة ومع ذالك فلیس العامل برائه علی نقد من الله وقع علی المراد من الحکم فی نفس الامر وانما علیه بذل الوسع فی الاجتهاد لیوجر ولو اخطأ وبالله التوفیق"
(فتح الباری ص ۲۴۵ ج ۱۳)

"اور اسی کی طرف اس قول میں اشارہ موجود ہے جو بیہقی نے بسند صحیح بحوالہ امام احمد بن حنبل نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے امام شافعی کو یہ کہتے سنا کہ قیاس ضرورت کے وقت جائز ہے مگر ساتھ ہی قیاس اور اسی پر عمل کرنے والے کو یہ وثوق نہیں ہو سکتا کہ اس کی رائے ٹھیک اس حکم پر جا پہنچی ہو جس کا فی الواقع حق تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے بس اس کا کام تو اتنا ہے کہ اجتہاد میں اپنی پوری طاقت صرف کر کے ثواب حاصل کرے خواہ اس اجتہاد میں وہ مخطی کیوں نہ ہو۔"

پھر باب "اجر الحاکم اذا اجتهد فاصاب او اخطأ" میں "اذا حکم الحاکم فاجتهد ثم اصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ای ظن ان الحق فی جهة فصادف ان الذی فی نفس الامر بخلاف ذلك فلاول له اجر ان اجر الاجتهاد واجر الاصابة والاخر له اجر الاجتهاد فقط وقد تقدمت الاشارة الی وقوع الخطأ فی الاجتهاد فی حدیث ام سلمة انکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجته من بعض"
(فتح الباری ص ۳۶۸ ج ۱۳)

"یعنی مجتہد نے خیال کیا کہ حق اس طرف ہے اور اتفاق ایسا ہوا کہ نفس الامر میں حق اس کے جانب مخالف میں تھا تو پہلے مجتہد کے (جس پر حق واضح ہو گیا) دو اجر ہیں ایک اجتہاد (کوشش) کا اور ایک اصابہ (یعنی حق کو پا لینے کا) اور دوسرے مجتہد کو فقط اجتہاد کا ثواب ملے گا۔ باقی یہ کہ اجتہاد میں خطا بھی واقع ہوتی ہے اس کی طرف ام سلمہ کی حدیث انکم تختصمون الی الخ کی تحت میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔"

پھر ابو بکر بن العربی کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

"تعلق بھٰذا الحدیث من قال ان الحق فی جهة واحدة للتصریح بتخطئة واحد لا بعینه" (فتح الباری ص ۲۶۹ ج ۱۳)

اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ حق کسی ایک ہی طرف ہوتا ہے کیوں کہ حدیث میں لاعلی التعین کسی ایک کے تخطیہ کی تصریح موجود ہے۔"

اس کے بعد حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول علامہ مازری کا نقل کیا ہے جس کو میں ذیل میں درج کروں گا۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو لوگ حق عند اللہ واحد مانتے ہیں اور المجتہد یخطی ویصیب کے قائل ہیں۔ وہ جیسا کہ اس مسئلہ معینہ کے اعتبار سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس خاص مسئلہ میں حق عند اللہ ایک جانب ہے۔ اسی طرح مجموعہ مسائل اجتہادیہ کے لحاظ سے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حق عند اللہ فریقین کے اندر منحصر ہے یعنی دونوں سے باہر نہیں اگر بعض مسائل میں ایک مجتہد مصیب اور دوسرا مخطی ہے تو دوسرے بعض مسائل میں اس کا عکس ہوگا۔ اس اعتبار سے

حق جانبین میں رہے گا۔ بلکہ خاص ایک متعین مسئلہ کے اعتبار سے بھی اگر الحق فی الطرفین کا اطلاق کر دیں تو اس معنی سے صادق ہوسکتا ہے کہ حق ان دونوں سے خارج نہیں بلکہ انہیں دونوں میں منحصر اور دائر ہے اگر چہ تعین مخطی اور مصیب کا بشخصہ نہ کیا جا سکے۔ پس علامہ مارزی کے سیاق عبارات میں تامل کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جس مذہب کو انہوں نے الحق فی الطرفین کے عنوان سے نقل کیا ہے وہ یہی مذہب ہے جو مجتہد کو مخطی اور مصیب دونوں تسلیم کرتا ہے کیوں کہ جیسا کہ آپ عبارت میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس کے مقابل میں وہ دوسری جماعت قائم کر رہے ہیں جس کا مسلک کل مجتہد مصیب ہے اور اسی ترتیب سے پھر دلائل بیان کیے ہیں۔ چنانچہ حافظ لکھتے ہیں کہ

"قال المارزی تمسك به (ای بالحدیث اذا حکم الحاکم فاجتهد الخ) کل من الطائفتین من قال ان الحق فی الطرفین ...... ومن قال ان کل مجتهد مصیب اما الاولٰی فلانه لو کان کل مصیبًا لم یطلق علٰی احدهما الخطأ لاستحالة النقیضین فی حالة واحدة واما المصوبة فاحتجوا بانه ﷺ جعل لهٗ اجرا فلو کان لم یصب لم یوجر واجابوا عن اطلاق الخطأ فی الخبر علٰی من ذهل عن النص او اجتهد فیما لا یسوغ الاجتهاد فیه من القطعیات فیما خالف الاجماع فان مثل هٰذا ان اتفق له الخطأ فیه نسخ حکمه وفتواه ولو اجتهد بالاجماع وهو الذی صح علیه اطلاق الخطأ واما من اجتهد فی قضیة لیس فیها نص ولا اجماع فلا یطلق علیه الخطاء واطال المازری فی تقریر ذلك والانتصار له وختم کلامه بان قال ان من قال ان الحق فی الطرفین هو قول اکثر اهل التحقیق من الفقهاء والمتکلمین وهو مروی عن الائمة الاربعة وان حکی عن کل منهم اختلاف فیه." (فتح الباری ص ۲۶۹ ج ۱۳)

"علامہ مارزی نے فرمایا کہ اس حدیث (اذا حکم الحاکم فاجتہد الخ) سے دونوں فریق استدلال کرتے ہیں وہ بھی جو یہ کہتا ہے کہ حق دونوں طرف دائر ہے (کسی مسئلہ میں اس

طرف ہوتا ہے کسی میں اس طرف) اور وہ بھی جس کے نزدیک ہر مجتہد مصیب ہے (یعنی حق ہر ایک مسئلہ میں اس طرف بھی ہے اور اس طرف بھی) پہلا فریق کہتا ہے کہ اگر ہر مجتہد مصیب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پر خطا کا اطلاق کیوں فرماتے حالانکہ دو نقیضین (خطا اور ثواب) ایک حالت میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اور دوسرا فریق جو ہر ایک مجتہد کی تصویب کرتا ہے اس کا ماخذ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کے واسطے بھی ایک ثواب مقرر فرمایا ہے اور اگر وہ مصیب نہ ہوتا ثواب بھی نہ ملتا۔ باقی حدیث میں جو لفظ خطا کا اطلاق واقع ہوا ہے۔ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ ان صورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جن میں کوئی نص موجود تھی اور مجتہد کو اس سے ذہول ہوا یا اس نے کسی ایسے مسئلہ میں اجتہاد کیا جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ تھی۔ مثلاً وہ قطعیات جن کے انکار سے اجماع کی مخالفت ہوتی ہے۔ پس اگر اس قسم کی غلطی مجتہد سے اتفاقاً ہو جائے تو اس کا حکم اور فتویٰ بالاجماع ناقابل عمل ہے اگر چہ اس نے پوری ہمت سے اجتہاد کیا ہو۔ اور اسی قسم کی غلطی پر خطا کار کا اطلاق کرنا صحیح ہے۔ باقی جس مجتہد نے کسی ایسے معاملہ میں قیاس کیا جو نہ منصوص ہے اور نہ مجمع علیہ ہے اس پر خطا کا اطلاق صحیح نہیں اس کے بعد مازری نے اس مسلک کی تقریر اور حمایت میں طویل کلام کرنے کے بعد ان الفاظ پر اپنے بیان کو ختم کیا ہے کہ فقہا اور متکلمین میں سے اکثر اہل تحقیق کا یہی قول ہے کہ حق طرفین میں دائر ہے اور یہی مذہب ائمہ اربعہ سے منقول ہے اگر چہ ان سے اس بارے میں کچھ اختلاف بھی نقل کیا گیا ہے۔‘‘

پس اس عبارت میں الحق فی الطرفین کا لفظ دیکھ کر یہ شبہ نہ پیدا ہونا چاہیے کہ علامہ مازری سب مصنفین کے خلاف جمہور فقہاء و متکلمین اور ائمہ اربعہ سے تعدد حق کا قول نقل کر رہے ہیں۔ کیوں کہ جیسا کہ میں نے گزارش کیا۔ وحدۃ حق کے ماننے والوں نے بھی اپنے مذہب کے بیان کرنے میں اس عنوان (الحق فی الطرفین) کا اختیار کر لینا چنداں مستبعد نہیں ہے خصوصاً جب کہ سیاق وسباق سے اس کی کافی تشریح ہو سکتی ہو اور بالفرض اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کو شبہ گزرتا ہے تو یہ نقل تمام مصنفین کی نقل کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ الغرض ہمارے اوپر

کے بیان سے جمہور اہل سنت کا مسلک آپ کو معلوم ہو گیا کہ باعتبار حکم نفس الامری اور حق عند اللہ کے مجتہد مخطی بھی ہوتا ہے اور مصیب بھی بالخصوص جب کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ مسائل منصوصہ میں حق عند اللہ واحد ہوتا ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ ان الحکم الا للہ کے اقتضا کے موافق قیاس مظہر حکم ہے مثبت حکم نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مجتہد فیہ مسائل میں جو کہ عند التامل شارع ہی کی طرف منسوب ہیں وحدۃ حق کا انکار کیا جاوے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ عقد الجید میں جس کے ابتدائی صفحات ہمارے معروضات کے خلاف شبہات پیدا کر سکتے ہیں۔ صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں:

"واذا تحقق عندك ما بيناه علمت ان كل حكم يتكلم فيه المجتهد باجتهاده منسوب الى صاحب الشرع عليه الصلوة والسلام اما الى لفظه او الى علة ما خوذة من لفظه وان كان الامر على ذلك ففى كل اجتهاد مقامات احدهما ان صاحب الشرع هل اراد بكلامه هذا المعنى او غيره وهل نصب هذه العلة مدار فى نفسه حين ما تكلم بالحكم المنصوص عليه اولا فان كان التصويب بالنظر الى هذا المقام فاحد المجتهدين لابعينه مصيب دون الاخر. وثانيهما ان من جملة احكام الشرع انه ﷺ عهد الى امة صريحًا او دلالةً انه متى اختلف عليهم نصوصه او اختلف عليهم معانى نص من نصوصه فهم مامورون بالاجتهاد واستفراغ الطاقة فى المعرفة ما هو الحق من ذلك فاذا تعين عند مجتهد شیء من ذالك وجب عليه اتباعه كما عهد اليهم انه متى اشتبه عليهم القبلة فى الليلة الظلماء يجب ان يتحروا او يصلوا الى جهة وقع تحريهم عليها فهذا حكم الشرع بوجود التحرى كما علق وجوب الصلوة بالوقت وكما علق تكليف الصبى ببلوغه فان كان البحث بالنظر الى هذا المقام نظر فان كانت المسئلة مما ينقض فيه اجتهاد

المجتهد فاجتهاده باطل قطعا وان كان فيها حديث صحيح وقد حكم بخلافه فاجتهاده باطل ظنا وان كان لمجتهدان جميعًا قد سلكا ما ينبغي لهما ان يسلكاه ولم يخالفا حديثًا صحيحًا ولا امرا ينقض اجتهاد القاضي والمفتي في خلافه فهما جميعا على الحق واى بالنظر الى المقام الثانى لما صرح فيما تقدم ان المصيب واحد لا بعينه بالنظر الى المقام الاول"

''اور جب کہ وہ باتیں جو ہم نے پہلے بیان کی ہیں تمہارے نزدیک محقق ہو گئیں تو تم نے یہ بھی سمجھ لیا ہو گا کہ ہر ایک ایسا حکم جس پر مجتہد اپنے اجتہاد کی قوت سے کلام کرتا ہے وہ منسوب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی طرف ہو گا یا تو شارع کی صریح الفاظ کی طرف اس کی نسبت ہو گی اور یا کسی ایسی علت کی طرف جو شارع علیہ السلام کے الفاظ سے نکالی گئی ہو۔ اور جب قصہ یوں ہے (کہ مجتہد کے بتائے ہوئے کل احکام شارع علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں یعنی یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ خود شارع علیہ السلام نے تنقیصاً یا تعلیلاً یہ احکام دیے ہیں) تو اب یہاں دو درجہ ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ آیا فی الحقیقت شارع علیہ السلام نے اپنے کلام سے اسی معنی کا ارادہ کیا تھا جو مجتہد نے سمجھے ہیں یا اس کے سوا کوئی اور معنی مراد تھے اور آیا حکم منصوص کا جب شارع علیہ السلام نے تکلم فرمایا تو اپنے دل میں اسی علت کو اس نے حکم کا مدار ٹھہرایا تھا۔ جس کو مجتہد نے قرار دیا ہے یا اور کچھ تو اس درجہ میں کوئی ایک ہی مجتہد مصیب ہو سکتا ہے (یعنی جس کا اجتہاد شارع کی مراد اور مقصود کے موافق رہا ہو) دوسرا درجہ یہ ہے کہ من جملہ احکام شریعت کے ایک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً یا دلالۃً اپنی امت کو یہ وصیت فرمائی ہے کہ جب ان کو اپنے نبی کے نصوص مختلف معلوم ہوں ایک ہی نص کے معانی میں اختلاف پیش آئے تو وہ مامور ہیں کہ حق کے دریافت کرنے میں اجتہاد سے کام لیں اور اپنی پوری پوری طاقت اس میں صرف کریں اس کے بعد جب ایک مجتہد کے نزدیک کوئی ایک بات متعین ہو جائے تو اس پر اسی کا اتباع واجب ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ وصیت فرمائی کہ

جب اندھیری رات میں (مثلاً) قبلہ مشتبہ ہو جائے تو اول خوب تحری کریں پھر جس طرف تحری سے قبلہ متعین ہو اسی کی طرف نماز پڑھ لیں تو یہ ایک ایسا حکم ہے جس کو شریعت نے تحری پر معلق رکھا ہے جس طرح نماز کی فرضیت وقت کے آنے پر معلق ہے اور کسی لڑکے کا مکلّف ہونا۔ اس کے بالغ ہونے پر معلق ہے۔ پس (اگر مجتہد کے مخطی اور مصیب ہونے کی بحث) اس درجہ میں آکر ہو تو دیکھا جائے گا کہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے تو نہیں جن میں مجتہد کا اجتہاد ٹوٹ جاتا ہے اگر ایسا ہو تو اس کا اجتہاد قطعاً باطل ہوگا اور اگر اس مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح اور مجتہد کا حکم اس کے خلاف ہوا تو ظن غالب یہ ہے کہ اس کا اجتہاد باطل ہے اور اگر دونوں مجتہد اس مسلک پر چلے۔ جس پر ان کو چلنا چاہیے تھا اور کسی حدیث صحیح کی انہوں نے مخالفت بھی نہیں کی اور نہ کسی ایسے امر کا خلاف کیا جس کے خلاف میں قاضی اور مفتی کا اجتہاد قائم نہیں رہ سکتا۔ تو اس صورت میں دونوں مجتہد حق پر ہوں گے (یعنی باعتبار درجہ ثانیہ کے کیوں کہ درجہ اولیٰ کے اعتبار سے تو کسی ایک مجتہد کے مصیب ہونے کی تصریح پہلے ہو چکی ہے۔)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

"ان النبی ﷺ اخبر ان الحاکم المجتہد المخطی لہ اجر والمصیب لہ اجران ولو کان کل منہما اصاب حکم اللہ باطنًا وظاہرًا لکان سواء ولم ینقض حکم الحاکم والمفتی اذا تبین ان النص بخلافہ. وان کان لم یبلغہ من غیر قصور ولا تقصیر ولما قال النبی ﷺ فانك لا تدری ما حکم اللہ فیہم ولما قال لسعد لقد حکمت فیہم بحکم الملك ان کان کل مجتہد یحکم بحکم اللہ وارتفاع اللوم بحدیث المختلفین فی صلوٰۃ العصر فی بنی قریظۃ وحدیث الحاکم." (ص۱۷۹ ج۳)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو آگاہ فرمایا کہ حاکم مجتہد جب مخطی ہو تو اس کے لیے

ایک اجر ہے اور مصیب ہو تو دو اجر ہیں اور اگر دونوں مجتہدوں میں سے ہر ایک کی رسائی ظاہراً وباطناً ٹھیک ٹھیک اللہ تعالیٰ کے حکم تک ہو جاتی تو پھر دونوں کا اجر بھی مساوی ہوتا اور حاکم اور مفتی کا قول اس صورت میں نہ ٹوٹ سکتا جب کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ نص صریح اس کے مخالف ہے مگر مجتہد کو وہ نہیں پہنچی باوجود یکہ اس کی طرف سے کسی قصور اور کوتاہی کا اظہار نہ ہوا اور اگر مجتہد کا حکم اللہ کا ہی حکم ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ ارشاد نہ فرماتے کہ نہیں جانتا کہ اللہ کا حکم ان کے بارے میں کیا ہے اور حضرت سعد سے یوں خطاب نہ فرماتے کہ تو نے ان کے متعلق وہ فیصلہ کیا جو بادشاہ کا فیصلہ تھا (باقی جب کہ دو مجتہدوں میں سے کوئی ایک خطا پر ہوا تو مخطی پر کچھ ملامت کیوں نہیں ہو سکتی) اس کا جواب اس حدیث میں ہے جس کے اندر عصر کی نماز بنی قریظہ میں پڑھنے نہ پڑھنے کی بابت صحابہ کرام کا اختلاف بیان ہوا ہے۔"

اور شیخ ابن ہمام تحریر الاصول میں لکھتے ہیں:

"بل الدليل اطلاق الصحابة الخطأ في الاجتهاد شائعًا مشكورًا بلا نكير كعلي وزيد بن ثابت وغيرهما من مخطئة ابن عباس في ترك العول وهو اى ابن عباس خطأهم في القول به وقول ابى بكر في الكلالة اقول برأى فان يكن صوابًا فمن الله وان يكن خطا فمني ومن الشيطان و عن ابن مسعود مثل قول ابى بكر ففي سنن ابى داؤد عنه فان يك صوابًا فمن الله وان يك خطا فمني ومن الشيطان والله ورسوله بريئان وقول العمر في المجهضة ان كانا قد اجتهدا فقد اخطأ عثمان و عبدالرحمن بن عوف. اھ مع حذف و زيادة." (ص ۳۰۹ ج ۳)

"بلکہ بڑی دلیل مجتہد کے مخطی ہونے کی یہ ہے کہ صحابہ صراحۃً خطاء فی الاجتہاد کا اطلاق کرتے تھے اور باوجودیکہ یہ بات ان میں عام تھی۔ لیکن کسی صحابی کا اس پر انکار کرنا مسموع نہیں ہوا۔ دیکھو ترک عول کے مسئلہ میں حضرت علی اور زید بن ثابت وغیرہ نے ابن عباس کو

خطا پر بتلایا اور ابن عباس عول کے قائل ہونے پر ان حضرات کا تخطیہ کرتے تھے اور کلالہ کے مسئلہ میں حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ یہ مسئلہ میں اپنی رائے سے بیان کرتا ہوں اگر وہ درست ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور درست نہ ہو تو میری طرف سے اور شیطان کے دخل سے ہے اور اسی طرح کا قول ابن مسعود کا سنن ابی داؤد میں موجود ہے کہ اگر یہ مسئلہ صحیح ہے تو حق تعالیٰ کی ہدایت سے ہے ورنہ اس کو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے سمجھو۔ کیوں کہ اللہ اور اس کا رسول ایک غلط بات سے بری ہیں اور فاروق اعظم نے مجھضہ کے مسئلہ میں فرمایا کہ اگر عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف نے اجتہاد کیا ہے تو ان سے اس اجتہاد میں غلطی ہوئی۔

آخر میں یہ بتلا دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ باوجودیکہ چاروں امام وحدت حق کے قائل ہیں اور المجتهد يخطی ويصيب کے مدلول کو صحیح جانتے ہیں لیکن تاہم کسی مجتہد کا جھٹ پٹ مخطی کا لفظ استعمال کرنے کو نازیبا اور خلاف احتیاط سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں جو تفصیل و تفتیش حضرت امام احمد بن حنبل کی ہے اس کا اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"قال الامام احمد من رواية محمد بن الحكم وقد سأله عن الرواية عن رسول الله ﷺ اذا اختلفت فاخذ الرجل باحد الحديثين فقال اذا اخذ الرجل بحديث صحيح عن رسول الله ﷺ واخذ اخر بحديث ضده صحيح عن رسول الله ﷺ فقال الحق عند الله واحد وعلى الرجل ان يجتهدو ياخذ احد الحديثين ولا يقول لمن خالفه انه مخطی اذا اخذ عن رسول الله ﷺ وان الحق فيما اخذت به انا و هذا باطل ولكن اذا كانت الرواية عن رسول الله ﷺ صحيحة فاخذ بها رجل واخذ اخر عن رسول الله ﷺ واحتج بالشئ الضعيف كان الحق فيما اخذ به الذی احتج بالحديث الصحيح وقد اخطأ الأخر فی التاويل مثل لايقتل مؤمن بكافر

واحتج بحديث السلماني قال فهٰذا عندی مخطی والحق مع من ذهب الیٰ حديث رسول الله ﷺ لا يقتل مومن بكافر وان حكم به حاكم ثم رفع الی حاكم آخر رد لانه لم يذهب الیٰ حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم الصحيح واذا روی عن رسول الله ﷺ حديث واحتج رجل او حاكم عن اصحاب رسول الله ﷺ كان قد اخطأ التاويل وان حكم به حاكم ثم رفع الی حاكم اخر رد الی حكم رسول الله ﷺ واذا اختلف اصحاب محمد ﷺ واخذ اخر عن رجل اخر من اصحاب رسول الله ﷺ فالحق عند الله واحد وعلى الرجل ان يجتهد وهو لايدری اصاب الحق ام اخطأ وهٰكذا قال عمر والله ما يدری عمر اخطأ ام اصاب ولكن انما كان رايا منه قال واذا اختلف اصحاب رسول الله واخذ رجل بقول اصحاب رسول الله ﷺ واخذ اخر بقول التابعين كان الحق فی قول اصحاب رسول الله ﷺ ومن قال بقول التابعين كان تاويله خطاء والحق عند الله واحد.‘‘

(فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۲۴۷ ج ۳)

’’محمد بن الحکم نے امام احمد سے استفسار کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات مختلف ہوں اور کوئی آدمی، ایک حدیث کو پکڑ لے تو اس صورت میں آپ کی کیا رائے ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ جب ایک مجتہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے استدلال کرتا ہے تو اگرچہ حق عند اللہ کسی ایک جانب میں ہے۔ لیکن آدمی کا کام یہ ہے کہ پورے اجتہاد کے بعد ایک حدیث کو لے لے اور اپنے مخالف کی نسبت یہ نہ کہے کہ اس نے خطا کی اور حق یہی ہے جو میں کہتا ہوں اور باقی سب باطل ہے۔ کیوں کہ اس کا مخالف بھی آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے اخذ کر رہا ہے۔ ہاں اگر ایک حدیث صحیح ہو اور دوسری ضعیف تو بے کھٹکے کہا جائے گا کہ حق اس کی طرف ہے جو حدیث صحیح سے استدلال

کرتا ہے اور حدیث ضعیف سے استدلال کرنے والا مخطی ہے مثلاً لا یقتل مومن بکافر حدیث صحیح ہے۔ تو جو اس کے مقابلہ میں سلمان کی حدیث سے استدلال کرے گا وہ مخطی ہوگا اور اگر ایک مجتہد یا حاکم تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کر رہا ہے اور دوسرا کسی صحابی کا قول پیش کرتا ہے تو اس دوسرے نے خطا کی اور اگر کسی حاکم نے اس دوسرے کے موافق فیصلہ کر دیا پھر اس کا مرافعہ کسی دوسرے حاکم کی عدالت میں کیا گیا ہے تو یہ دوسرا حاکم پہلے فیصلے کو توڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی طرف لوٹا دے گا اور اگر ایک شخص ایک صحابی کے قول کی سند پکڑتا ہے اور دوسرا دوسرے صحابی کے قول سے۔ تو خدا کے نزدیک حق پر کوئی ایک ہے۔ لیکن انسان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کو کام میں لائے اور اس وقت اس کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ خطا پر ہے یا صواب پر ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے ایسا ہی فرمایا کہ عمر نہیں جانتا کہ وہ خطا پر ہے یا صواب پر۔ البتہ ایک رائے اس کی تھی (جو بیان کر دی گئی) امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص تو صحابہ کے اقوال سے استدلال کرتا ہے اور دوسرا اس کے جواب میں تابعین کے اقوال سے تو حق صحابہ کے اقوال کی طرف ہوگا۔ اور اس وقت تابعین کے اقوال سے احتجاج کرنا غلطی ہوگی۔ اور بہر حال حق اللہ کے نزدیک کسی ایک طرف ہے۔"

امام احمد کے اس کلام سے اندازہ کرو کہ ایسے بڑے بڑے جلیل القدر اور رفیع المنزلۃ ائمہ یہ یقین رکھنے کے باوجود کہ ہر مسئلہ میں حق صرف ایک ہو سکتا ہے پھر بھی اپنے مخالف کے تخطیہ میں کس قدر محتاط تھے چنانچہ جو کچھ بھی حسن ظن ائمہ کرام کی نسبت آج باقی ہے وہ ان ہی پاک نفس بزرگواروں کی احتیاط اور بے تعصبی اور فراخ دلی اور حسن تادب کا نتیجہ ہے۔ برد اللہ مضاجعھم ونور اللہ قبورھم وافاد علینا شابیب برکاتھم آمین. وقد بقی خبایا فی الزوایا ترکنا ابرازھا مخافة التطویل واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وحسبنا اللہ ونعم الوکیل. فقط

(ماخوذ ہدیہ سنیہ ص ۲۶ تا ۴۳ تالیف: علامہ شبیر احمد عثمانی)

مسئلہ تقلید شخصی پر حضرت قاسم العلوم والخیرات نور اللہ مرقدہ کا محققانہ تبصرہ:

تقلید کی بات سنیے۔ لاریب دین اسلام ایک ہے اور چاروں مذہب حق مگر جیسے فن طبابت یونانی یا ڈاکٹری انگریزی ایک ہے اور سارے طبیب کامل قابل علاج اور ہر ایک ڈاکٹر قابل معالجہ ہے اور پھر وقت اختلاف تشخیص اطباء یا مخالف رائے ڈاکٹران جس طبیب کا علاج یا جس ڈاکٹر کا معالجہ کیا جاتا ہے۔ ہر بات میں اسی کا کہنا کیا جاتا ہے دوسرے طبیب کی یا دوسرے ڈاکٹر کی رائے نہیں سنی جاتی ایسی ہی وقت اختلاف ائمہ جس مجتہد کا اتباع کیا جائے ہر بات میں اسی کی تابع داری ضروری ہے۔ ہاں جیسے کبھی ایک طبیب یا ڈاکٹر کا علاج چھوڑ کر دوسرے کی طرف رجوع کر لیتے ہیں اور پھر بعد رجوع ہر بات میں دوسرے کا اتباع مثل اول کیا جاتا ہے ایسے ہی کبھی کبھی بعض بزرگوں نے زمانہ سابق میں کسی وجہ سے ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیا تھا اور بعد تبدیل مذہب ہر بات میں دوسرے ہی کا اتباع کیا یہ نہیں کیا کہ ایک بات ان کی لی اور ایک بات ان کی لی اور تدبیر سے ایک لا مذہبی کا پانچواں انداز گھڑ لیا۔ امام طحاوی جو بڑے محدث اور فقیہ ہیں پہلے شافعی تھے پھر حنفی ہو گئے تھے بالجملہ بے تقلید کام نہیں چلتا یہی وجہ ہوئی کہ کروڑوں عالم اور محدث گزر گئے پر مقلد ہی رہے۔

امام ترمذی کو دیکھئے کتنے بڑے عالم اور فقیہ اور محدث تھے۔ ترمذی شریف انہیں کی تصنیف ہے باوجود اس کمال کے مقلد ہی تھے اعتبار نہ ہو تو ترمذی شریف کو دیکھ لیجیے جب ایسے ایسے عالم اس کمال پر مقلد ہی رہے امام شافعی کی تقلید امام ترمذی نے کی اور امام طحاوی اور امام محمد اور امام ابو یوسف نے امام ابوحنیفہ کی تقلید کی ہو پھر آج ایسا کون سا عالم ہوگا جس کے ذمہ تقلید ضروری نہ ہو۔ اگر کسی بڑے عالم نے اماموں کی تقلید نہ کی بھی تو کیا ہوا۔ اور اول تو کروڑوں کے مقابلہ میں ایک دو کی کون سنتا ہے جس عاقل سے پوچھو گے یہی کہے گا کہ جس طرف ایک جہان کا جہان ہو وہی بات ٹھیک ہوگی۔

بایں ہمہ یہ کون سی عقل کی بات ہے کہ اس بات میں عالموں کی چال ہم اختیار کریں یہ ایسی بات ہے کہ کوئی مریض جاہل کسی طبیب کو مرض کے وقت دیکھے کہ اپنا علاج آپ کرتا ہے اور دوسرے طبیب سے نہیں پوچھتا یہ دیکھ کر یہ بھی یہی انداز اختیار کرے کہ اپنا علاج اپنے آپ کو کرنے لگے اور طبیبوں سے کام نہ رکھے تو تم ہی کہو ایسے آدمی عاقل کہلائیں گے یا بے وقوف۔ سو ایسے ہی کسی عالم کو غیر مقلد دیکھ کر جاہل اگر تقلید چھوڑ دیں تو یوں کہو علم تو تھا یا نہ تھا عقل دین بھی دشمنوں ہی کو نصیب ہوئی اور جاہلوں کو جانے دیجیے آج کل کے عالم یقین جانئے کل نہیں تو اکثر جاہل ہی ہیں بلکہ بعض عالم تو جاہلوں سے بھی زیادہ جاہل ہیں دو کتابیں اردو کی بغل میں دبا کر وعظ کہتے پھرتے ہیں اور علم کے نام خاک بھی نہیں جانتے کم سے کم علم اتنا تو ہو کہ ہر علم کی ہر ایک کتاب طالب علم کو پڑھا سکے۔

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کا حوالہ:

مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ تقلید شخصی کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

سوال:

ایک امام کی تقلید واجب ہونے کے کیا دلائل ہیں؟ اور واجب کی تعریف اور حکم بھی بیان کریں؟

الجواب:

اس ملک میں یہ سوال غلط ہے کیوں کہ جیسے یمن میں صرف حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اور سب لوگ ان کی ہی تقلید کرتے تھے اسی طرح اس ملک میں مدارس، مساجد، مفتی صرف اور صرف سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے ہیں۔ دوسرے کسی مذہب کے مفتی موجود ہی نہیں کہ عوام ان سے فتویٰ لیں۔ اس لیے یہاں تو ایک ہی امام متعین ہے۔ جیسے کسی گاؤں میں ایک ہی مسجد ہو اور ایک ہی امام کے پیچھے ساری نمازیں پڑھنی واجب ہیں۔ ایک

ہی ڈاکٹر ہو سب اسی سے علاج کرواتے ہیں، ایک ہی قاری ہو سب اسی سے قرآن پڑھ لیتے ہیں اس لئے یہاں ایک ہی امام کی تقلید واجب ہے جیسے مقدمہ الواجب واجب کہا جاتا ہے۔اس کے بغیر دین پر عمل کرنا ناممکن ہے۔کوئی شخص ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھ سکتا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اور صاحب جمع الجوامع فرماتے ہیں کہ ''عامی پر ایک امام کی تقلید واجب ہے۔''

(عقد الجید ص ۵۰)

اور دلیل اس کی اجماع ہے۔(الاشباہ ج ا ص ۱۴۳)

عقلی دلیل:

دنیا میں انسان کوئی بھی کام بغیر دوسرے کی پیروی کے نہیں کر سکتا۔ ہر ہنر اور علم کے قواعد سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔دین کا معاملہ تو دنیا سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔اس میں بھی اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوگی۔علم حدیث میں بھی تقلید ہے کہ فلاں حدیث اس لیے ضعیف ہے کہ بخاری نے یا فلاں محدث نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے۔اس کا قول ماننا یہ ہی تو تقلید ہے۔قرآن کی قرأت میں قاریوں کی تقلید ہے کہ فلاں نے اس طرح اس آیت کو پڑھا ہے قرآن کے اعراب، آیات سب ہی تقلید ہی تو ہے نماز میں جب جماعت ہوتی ہے تو امام کی تقلید سب مقتدی کرتے ہیں حکومت اسلامی میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں۔ریل میں بیٹھتے ہیں تو ایک انجن کی ساری ریل والے تقلید کرتے ہیں۔غرضیکہ انسان ہر کام میں مقلد ہے اور خیال رہے کہ ان سب صورتوں میں تقلید شخصی ہے نماز کے دو امام نہیں، بادشاہ اسلام دو نہیں، تو شریعت کے امام ایک شخص دو کس طرح مقرر کر سکتا ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الجہاد باب آداب السفر میں ہے: اِذَا کَانَ ثَلٰثَۃٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَھُمْ ''جب کہ تین آدمی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں۔''